جلد 21 شمارہ 7 ماہ جولائی 2019ء ذیقعد 1440ھ

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا

صداقت

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس وغیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران وسرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

☆☆☆

راہ سلوک کی رکاوٹیں

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

(گزشتہ سے پیوستہ)

پانچویں رکاوٹ، دولت و ثروت ہے ۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دو طرح سے آزماتا ہے۔ایک مفلسی اور مصیبتیں دے کر دوسرے دولت اور آرام و آسائش دے کر۔حقیقت یہ ہے کہ دولت و ثروت کی آزمائش مفلسی اور غربت کی آزمائش سے کہیں زیادہ کٹھن اور دشوار ہے۔مفلسی اور غربت میں تو قدرتاً اللہ یاد آتا ہے اور انسان سب طرف سے مایوس ہو کر اللہ ہی کی طرف جھکتا اور اسی سے مدد مانگتا ہے۔جب کہ مال و دولت کی فراوانی اور عیش و آرام کی زندگی میں انسان سرے سے خدا کو بھول ہی جاتا ہے۔دولت مند انسان گناہوں کے تمام اسباب نہایت آسانی سے حاصل کرسکتا ہے۔پھر اس کے گرد بہت سے خوشامدی اور مفت خورے جمع ہوجاتے ہیں جن کا فائدہ ہی اس میں ہے کہ اس کے لیے گناہوں کے ساز و سامان مہیا کریں مثلاً شراب' جوا' زنان بازاری وغیرہ۔چوبیس گھنٹے خرافات یا روپیہ کمانے کے مشاغل میں گزرتے ہیں۔خدا کو یاد کرنے کی فرصت اسے کہاں نصیب ہوتی ہے۔جب حالت یہ ہو اور ہر گھڑی ہر وقت بات بات پر آمنّا و صدّقنا اور جی حضور! کہنے والے موجود ہوں تو کبر و غرور کا پیدا ہوجانا لازمی ہے۔اب وہ عام انسانوں کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔دوسری طرف مزید دولت کمانے کی دھن میں وہ طرح طرح کے ناجائز وسائل بھی اختیار کرتا اور دن بدن گناہوں اور بداخلاقی کے جال میں جکڑا چلا جاتا ہے۔دنیا کی ہوا و حرص میں جھوٹ بولنا' لوگوں کو دھوکے دینا اور دوسروں کا مال غصب کرنا اس کی عادت بن جاتا ہے۔اب بتایئے کہ

ایسے آدمی کو روحانیت اور بزرگی بھلا کیسے مل سکتی ہے۔ اگر خدائے رحیم وکریم دنیا میں ذلت ورسوائی اور آخرت میں آگ کے عذاب ہی سے بچالے تو یہ محض اس کا فضل وکرم ہی ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ نے جہاں غربت ونکبت سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا علاج یہ بتایا ہے کہ تم اپنے سے کمتر اور زیادہ مفلوک الحال لوگوں پر نظر رکھو وہاں امارت وثروت کی برائیوں سے بچنے کا طریقہ یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے سے برتر اور اپنے سے زیادہ دولت مند لوگوں کو دیکھو اور ان کی زندگی کا بغور مطالعہ کرو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ مال و دولت کے لحاظ سے تو تمہاری کوئی خاص حیثیت ہی نہیں۔ ہزاروں لاکھوں آدمی تم سے کہیں زیادہ دولت مند ہیں اور ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں جن کی زندگی نہایت پاک وصاف اور ہر عیب سے مبرا ہے۔ اس طرح ممکن ہے کہ تمہارے دل میں جو کبر وغرور ہے وہ ختم ہو جائے اور تم نیک انسان بن جاؤ۔ دولت وثروت کی خرابیوں سے بچنے کے لیے سب سے پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ تم خوشامدیوں' چاپلوسوں اور مفت خوروں کی صحبت سے بچو اور ان کو اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دو۔ جس دن سے اس کرہ ارض پر تمدن کی بنیاد پڑی ہے اس دن سے آج تک دنیا کے کسی ملک اور کسی قوم کا لٹریچر اور تاریخ اٹھا کر دیکھ لو ہر جگہ تم کو یہی نظر آئے گا کہ اس قسم کے بدقماش' حاشیہ نشین اور رشور بہ چٹ لوگ امراء کے گرد صرف اپنی ذاتی منفعت کے لیے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک فرد واحد بھی ایسا نہیں ہوتا جو نیکی کی راہ دکھائے یا مصیبت کے وقت کام آئے۔ دولت کی برائیوں سے محفوظ رہنے کے لیے دوسرا قدم یہ اٹھانا چاہیے کہ اچھے' نیک اور صالح آدمیوں کی صحبت میں بیٹھو۔ کسی کامل بزرگ کی خدمت میں حاضری دیتے رہو تا کہ جو خامیاں پیدا ہوں ان کا ازالہ ہوتا رہے اور دل پر جو زنگ لگا ہے وہ صاف ہو جائے۔ تیسرا قدم یہ ہے کہ غصہ اور نفرت کی نفی کرنے کی برابر کوشش کرتے رہو۔ خلق خدا سے محبت اور غریب انسانوں کی خدمت کرو۔

اسلام دولت کمانے اور سونے چاندی کے انبار جمع کرنے کو منع نہیں کرتا لیکن وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ تم یہ دولت اپنے ذاتی عیش و آرام کے لیے جمع نہ کرو۔ بلکہ خدا کے لیے قوم کی

ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے جمع کرو۔ اس روپیہ میں سے تم زکوٰۃ نکالو۔غریب اقرباء یتیموں اورمحتاج افراد کی تکالیف کو دور کرنے کے لیے خرچ کرو اور اس طرح دولت کو غرباء پر صرف کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ’’اللہ کو قرض حسنہ دو‘‘ تو جولوگ اس نیت سے دولت جمع کرتے ہیں اور اسی طرح خرچ بھی کرتے ہیں وہ تو خیر ہی خیر کرتے ہیں اور ثواب ہی ثواب کماتے ہیں ۔اس دولت سے ملکی دفاع کے لیے بڑی بڑی فوجیں کھڑی کرو‘ ان کے لیے جدید ترین قسم کے آلات اور ہتھیاروں کو بنانے کے لیے کارخانے قائم کرو ۔ ہمارے امراء اور صنعت کاروں کو یاد رکھنا چاہیے اور ہر وقت یاد رکھنا چاہیے کہ جس ملک پر کوئی دشمن قبضہ کرتا ہے اس ملک کے امیروں کی بھی سب دولت چھین لیتا ہے ۔ان کا عیش و آرام مٹی میں مل جاتا ہے اور وہ ذلیل و خوار اور کوڑی کوڑی کے لیے محتاج ہو جاتے ہیں ۔

چھٹی رکاوٹ جذبات ھیں : انسان میں بیسیوں قسم کے جذبات پیدا کیے گئے ہیں ۔ اچھے بھی اور برے بھی ۔ سالک کو چاہیے کہ وہ اچھے جذبات پر عمل کرے اور برے جذبات کو کچل کر رکھ دے ۔ برے جذبات کو قابو میں رکھنے اور کچلنے کے لیے صرف قوت ارادی اور قوت برداشت پیدا کرنے اور اس کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے اور طاقتور بنانے کی ضرورت ہے ۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم میں صرف دو باتیں بتائی گئی ہیں ۔ ایک یہ کہ غصہ کو بالکل نفی کر دو‘ دوسرے یہ کہ کسی سے نفرت نہ کرو ۔ اس کے متعلق ’’**تعمیر ملت** ‘‘طریقت توحیدیہ ‘‘میں کافی تفصیل سے لکھا جا چکا ہے ۔لہٰذا اس کا اعادہ تحصیل حاصل ہے ۔حلقہ کے جو احباب اس پر عمل کرتے ہیں وہی اس کے فوائد کو سمجھ سکتے ہیں لیکن جو بار بار بتانے اور سمجھانے کے باوجود عمل نہیں کرتے ان کو اب پھر وہی بتانا اور کہنا تضیع اوقات ہے ۔مندرجہ بالا رکاوٹوں کے علاوہ دو اور رکاوٹیں قابل ذکر اور قابل توجہ ہیں ۔ ان میں سے ایک غرور ہے دوسری غلط فہمی ۔

نفس کی اہمیت

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ)

انسانی روح میں پیدائشی طور پر دوسری صلاحیتوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی استعداد موجود تھی۔ روح اپنے خالق کو پہچانتی اور اس سے محبت کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو اس مادّی عالم میں اس لئے بھیجتے ہیں کہ جو خصوصی جوہر اسے عطا کر رکھا ہے۔ اس کا اظہار کر کے علم و معرفت کے ذریعے اللہ کی محبت کے اس مقام تک پہنچ سکے کہ خود اللہ کا محبوب بن جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اسے عقل، نفس، قلب، آنکھیں، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں اور مناسب مادّی جسم عطا فرمایا۔ خلافتِ ارضی کے عظیم منصب کی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے ان سب چیزوں کی انہیں ضرورت تھی۔ ہمارے ہاں نفس کے بارے میں کافی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اس لئے اس کی اہمیت اور صلاحیت کے بارے میں وضاحت کرنا نہایت ضروری ہے۔ نفس مجرد خواہش کا نام ہے یعنی نفس کی وجہ سے ہی انسان کو خواہش کرنے کی اہلیت حاصل ہوئی۔ نفس خواہشات کا خزانہ اور مرکز ہے۔ روح کے برخلاف اس میں فطری طور پر سرکشی، شرارت اور بغاوت کا جذبہ ہے اور یہ پابندیوں کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ اس میں لالچ، غصہ، جنسیت اور خودنمائی جیسی جبلتیں موجود ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ مادّے سے قطعی مختلف ہے لیکن اسے مادّی عالم میں کچھ عرصہ کے لئے قیام کرنا تھا۔ آسانی کی خاطر یوں سمجھ لیں کہ روح نے مادّے سے آشنائی پیدا کرنے اور اسے اپنی دسترس میں لانے کی خاطر نفس کے ساتھ دوستی کر لی۔ چونکہ نفس کی دلچسپی مادّے کے ساتھ ہے اس لئے اس کی تحریک سے روح میں مادّی کائنات کو تسخیر کرنے کی امنگیں اٹھتی رہتی ہیں۔ اگر انسان میں نفس نہ ہوتا تو اس میں کسی قسم کی کوئی خواہش بھی نہ ہوتی اگر کوئی خواہش ہی نہ ہوتو

جسم میں حرکت کیوں ہوگی اور جس جسم میں کوئی حرکت ہی نہ ہو اسے زندہ کیونکر کہا جا سکتا ہے اگر نفس نہ ہوتا تو مادّی زندگی کا اظہار نہ ہوتا نہ ہی تسخیر و تعمیر کا کوئی کام ہوتا اور نہ ہی خلافت ارضی کا مقصد پورا کیا جا سکتا۔ نفس کی خواہشات بے شمار ہیں اور روح کی صلاحیت اور قوت بھی لامحدود ہے نفس نئی نئی چیزوں کی خواہش کرتا رہتا ہے اور انسان کی باطنی صلاحیت اس کے ہر خواب کو حقیقت میں ڈھالنے کے لئے جدوجہد میں لگی رہتی ہے ان دونوں کے اشتراک سے نئی نئی ایجادات اور نئے علوم وجود میں آ رہے ہیں۔ اس طرح انسان تسخیر و ایجاد کا سفر جاری رکھتے ہوئے آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آئی کہ حیات ارضی کے لئے نفس کا وجود ناگزیر ہے کہ اللہ کی محبت اور اطاعت کے لحاظ سے روح اور نفس کے رجحانات میں صریح تضاد ہے روح اپنے ربّ کو پہچانتی، اس سے محبت کرتی اور اس کے ذکر سے اطمینان اور قوت حاصل کرتی ہے۔ یوں کہہ لیجئے کہ روح فرشتوں کے خصائل کی حامل ہے اور اس کے برعکس نفس کی سرشت میں بغاوت اور شرارت ہے اس کی محبت اپنے حقیقی مالک کی بجائے مادّے اور اس سے متعلقہ حیوانی لذات یعنی کھانے، پینے، آرام و راحت اور جنسی خواہشات پر مرکوز ہوتی ہے گویا نفس میں بہیمیت یعنی درندوں اور حیوانوں کی سی عادات ہوتی ہیں۔ اس صورت حال میں انسانی روح کا کمال یہ ہے کہ اپنے اس ساتھی کی خوبیوں سے تو فائدہ اٹھائے لیکن اس کے بہکاوے میں آ کر دنیا کی لذات میں نہ کھو جائے بلکہ نفس پر اثر انداز ہو کر اسے بھی اللہ کی محبت سے آشنا کرے اور اس کی سرکشی چھڑوا کر اطاعت اور بندگی کی راہ پر لگا لے۔ اگر ایسا ہو جائے تو انسان کامیاب ہو جائے گا ورنہ وہ اس آزمائش میں ناکام قرار دیا جائے گا اور سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ انسان کا حقیقی دشمن شیطان بھی اپنے وار نفس کے توسط سے ہی کرتا ہے۔ اگر یہ گھر کا بھیدی اصلاح پذیر ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرے تو شیطان کے حملے بھی بے کار ہو جاتے ہیں۔

شیطان اور نفس کا اللہ کی راہ سے روکنے کا کردار بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ قوت ہمیشہ رکاوٹوں اور مخالفتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتی اور نہ ہی کوئی اپنی ترغیب وتحریص میں پھنسا کر گمراہ کرنے والا موجود ہوتا تو نیکی پر چلنے میں انسان کا کیا کمال ہوتا۔ تبھی انسان ایک ہی طرح کے ہوتے نہ کوئی اچھا، نہ برا، نہ مومن، نہ کافر، نہ موسیٰ علیہ السلام، نہ فرعون، نہ ابراہیم علیہ السلام، نہ نمرود، نہ جنت، نہ دوزخ کچھ بھی نہ ہوتا۔ انسان کی فضیلت اور انسانی مرتبہ کا دارومدار شیطان کے مکروفریب کے جال کو توڑنے اور مادی لذات وشہوات کو ٹھکرا کر اللہ کی محبت اور اطاعت کی راہ پر بڑھتے چلے جانے میں ہے۔ اللہ کی محبت میں نفس کی خواہشات توڑ دینے سے انسان کو بے پناہ روحانی قوت حاصل ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایٹم کے ٹوٹنے سے بہت سی توانائی خارج ہوتی ہے۔ دونوں جہان کی رونقیں حق اور باطل کی طاقتوں کے درمیان حریفانہ کشمکش کی وجہ سے ہیں انسان کی پرکھ اس کی سوچوں کی وجہ سے ہوتی ہے نفس کی خواہشات اچھی بھی ہوسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قرب و دیدار، حضور نبی کریم ﷺ کی محبت، مخلوق خدا کی خدمت اور اللہ کی راہ میں شہادت کی خواہشات کس قدر نیک اور عظیم ہیں۔ تزکیہ نفس یہی ہے کہ خواہشات کا رخ بدل دیا جائے نہ کہ خواہشات کو سرے سے ختم ہی کر دیا جائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ اعراف کی آیت ۲۰۵ میں وَاذْکُر رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ کے الفاظ جن کے معنی ہیں "اپنے نفس میں اپنے ربّ کا ذکر کر" سے یہی مقصود ہے کہ انسان میں بھی اللہ کے قرب کی خواہش بیدار ہو جائے۔ نفس کی طاقت کا صحیح سمت میں لگ جانا ہی راہ سعادت ہے ایک طاقتور نفس کی قوت جس راہ پر چل پڑے، اپنے آپ کو منوا لیتی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جو کفر میں سب سے آگے تھے وہ دین میں بھی آگے ہیں۔ ایک ایسا ہی دلیر شخص جب کفر کی حالت میں تھا تو شیطان کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا ادھر اللہ کے رسول ﷺ کی حقیقت شناس نظر اسی بہادر جوان کو دین کی نصرت کیلئے منتخب کر چکی تھی۔ آپ ﷺ نے اللہ کے حضور دعا فرمائی کہ اے اللہ! عمر کے ذریعے اپنے دین کی مدد فرما۔ یعنی اس سرکش اور تند و تیز طوفان کا رخ اسلام کی خدمت کی طرف پھیر دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی دعا قبول فرمائی تو وہی عمرؓ جو

مرادِ رسول تھے الفاروق اور شاہکار رسالت بن گئے ان کی ایمانی قوت کا یہ عالم تھا کہ آپؓ کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس راستے سے عمر گزر رہا ہو، شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔

ذرا غور فرمایئے! اللہ تعالیٰ نے جہاں بے شمار چیزیں انسان کی خدمت میں لگا رکھی ہیں وہاں ہوا، حرارت، مقناطیسیت، بجلی اور ایٹمی توانائی بھی پیدا کر رکھی ہیں۔ لیکن ان سب کے استعمال میں بھی بڑے خطرات کا خدشہ ہوتا ہے ان سے کام لینے کے لئے بڑی احتیاط برتنا پڑتی ہے کیوں کہ ذرا سی غلطی بھی بہت بڑی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ مثال کے طور پر بجلی کی قوت پر غور کریں کہ انسان اس سے کیسے کیسے عجیب وغریب کام لے رہا ہے۔ اس کے مہلک خطرات کا علم ہونے کے باوجود خود درخواستیں دے کر اور ریلے سے اخراجات ادا کر کے اپنے گھروں میں اس کے کنکشن لگواتے ہیں کیوں کہ اس کے فوائد بے شمار ہیں لیکن بجلی کی یہ طاقت فطرت کی دوسری طاقتوں کی طرح بڑی بے رحم اور بے لحاظ ہوتی ہے اور اپنے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے کو کبھی معاف نہیں کرتی۔ نفس بھی ایک توانائی ہے وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی روشنی میں اس کو سمجھنے یعنی عرفان نفس حاصل کرنے کے بعد اسے استعمال کرے گا وہ اس کے شر سے محفوظ رہ کر اس کی قوت سے فائدہ اٹھا سکے گا۔

اسی طرح شر کی قوتوں کے سالار اور انسان کے حقیقی دشمن یعنی شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے بھی ہدایات موجود ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ کی تعلیم کے مطابق اللہ کی ذات پر توکل مضبوط زرّہ اور کثرت ذکر وہ نا قابل تسخیر قلعہ ہیں جو مومن کو ابلیس اور اس کے لشکروں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ایسے مومن اس دشمن سے خوف زدہ نہیں ہوتے بلکہ اللہ کی تائید و نصرت کے بھروسہ پر اس کے لشکروں کے خلاف صف آراء ہو جاتے ہیں۔ شیطان اللہ تعالیٰ کی ایک ادنیٰ سی مخلوق ہے اور وہ ہر وقت اللہ سے خوف زدہ رہتا ہے۔ اس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے ہماری راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے اور سیدھے راستے سے ہٹانے کا کام لگا رکھا ہے۔ اور وہ اسے پوری تندہی کے ساتھ انجام دے رہا ہے اور ہمیں ان رکاوٹوں کو دور کر کے اپنے قرب کے مقام تک پہنچنے کا حکم دے رکھا ہے۔ اس طرح ابلیس بھی اپنی سرکاری ڈیوٹی میں لگا ہوا ہے اور اس

رزم گاہِ حیات میں اس کے وجود کی اہمیت بھی مسلمہ ہے۔ دوسرے عارفانِ حق کی طرح محرم راز درونِ میخانہ یعنی حضرت اقبالؒ نے بھی ابلیس کی اہمیت کے اظہار کیلئے بال جبریل میں ایک نظم جبریل و ابلیس کے عنوان سے لکھی ہے۔ اس میں حضرت جبرائیلؑ ابلیس کے طرزِ عمل پر اظہار افسوس کرتے اور اسے توبہ کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ ان کے جواب میں ابلیس اپنا موقف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

ہے میری جرأت سے مشتِ خاک میں ذوقِ نمو
میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پو
دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیر و شر
کون طوفان کے طمانچے کھا رہا ہے میں کہ تو ؟
خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفان یم بہ یم ، دریا بہ دریا ، جو بہ جو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اپنے اللہ سے
قصہ آدم کو رنگین کر گیا کس کا لہو؟
میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط ! اللہ ہو ، اللہ ہو ، اللہ ہو

نقوشِ مہر ووفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

بابا جانؒ اپنی باتیں سنا رہے تھے کہ جب ہم پی آئی اے میں لیبیا جاتے تھے Deputation کے دوران تو ہمیں ایک Laggage ٹکٹ ملتا تھا کہ یہ پہلی دفعہ جا رہے ہیں اور As an instructor جا رہے ہیں، ان کی کتابیں ہوں گی، یہ اور وہ کافی کچھ ہوگا، Extra laggage ان کو چاہئے۔ اس طرح وہ ہمیں جاتے وقت ایک ٹکٹ دیتے تھے۔ یہ کافی Amount کا تھا۔ ہم نے کیا لے کے جانا تھا۔ یہاں تو لوگ کپڑے بھی چھوڑ کر جاتے تھے کہ وہاں جا کر لیں گے۔ وہ ٹکٹ ہر سال پی آئی اے کے دفتر جا کر Renew کرانا پڑتا تھا۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ اس کو استعمال کریں ورنہ ختم ہو جائے گا۔ اب سمجھ نہ آئے کہ کہاں اس کو ختم کریں۔ میں چھٹی پر آ رہا تھا۔ جہاں میں کورس میں پڑھاتا تھا، وہاں ایک دو اور آدمی بھی میرے نام کے تھے۔ میں نے کہا کہ تم مجھے وہ والا ٹکٹ دے دو، وہاں Try کرتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ چلتا ہے کہ نہیں۔ چل گیا تو میں چلا آؤں گا۔ انہوں نے ٹکٹ دے دیے۔ دو تین ٹکٹ ہو گئے۔ ہم پہلے بکنگ میں گئے، انہوں نے کہا کہ Valid ہیں، آپ جو لانا ہے لے آؤ، ٹکٹ صحیح ہے۔ وہاں ایک کمپنی تھی، جس کو پی آئی اے والے خط لکھتے تھے کہ یہ رئیس ہیں۔ ہمیں کہا جاتا کہ آپ Select کر لیں، یہ فریج چاہئے، یہ ایئر کنڈیشنر چاہئے، جو مال بھی چاہئے، وہاں سے اس کا نام بھیجنا ہوتا تھا۔ یہ سامان پھر By ship کراچی آتا، یہاں سے کسی ایجنٹ کے ذریعے اسے کلیئر کرا لیا جاتا تھا۔ مطلب یہ کہ کوئی چھ مہینے بعد سامان پہنچ جاتا تھا۔

ہم وہاں گئے، فریج بھی خریدا، ٹی وی بھی خریدا، باقی یہ چھوٹے موٹے گانے بجانے والا

ڈیک اور جو سامان خریدنا تھا، خریدلیا۔ وہاں بڑی مارکیٹ تھی۔ برطانیہ کا بنا ہوا سامان بڑا زبردست یہاں ملتا تھا۔ وہ ہم نے سامان لاکر پی آئی اے کی بکنگ پر رکھ دیا۔ انہوں نے سامان تو لا، سارا کچھ بکنگ میں آنے کے بعد بھی وہ آدھا ٹکٹ بچ گیا۔ انہوں نے وہ واپس کردیا کہ اسے لے جاؤ، یہ آپ کو پھر کسی وقت جہاز پر آتے جاتے کام آسکتا ہے۔ ہم چھٹی پر آئے تھے جہاز پر کراچی، اور پھر وہاں سے لاہور آگے لیٹر آگیا تھا کہ یہ سامان ہے، یہ ساتھ لے جاؤ۔ میرا خیال ہے کہ اس ٹکٹ پر سامان بک کرانے کی وجہ سے ہمارے ساتھ ہی کہیں آگیا تھا۔

ایک بھائی نے پوچھا کہ اس کے پیسے پھر نقد دیتے تھے؟ فرمایا؛ نہیں!

ہمارے پاس وہ امریکن ایکسپریس کے ٹریولر چیک تھے۔ جو تنخواہ ملی تھی، اس کے لے لئے تھے اور یہاں آکر انہیں کیش کرالیا۔ یہ ہم نے وہاں جدہ سے خریدے تھے۔ سامان لینے کے لئے ایک فارم پر کرنا ہوتا تھا۔ اسے وہ لوگ آپ ہی Fill کر لیتے تھے۔ Regard کرتے تھے کہ یہ ایئر فورس کے بندے ہیں۔ وہاں کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔ ہم یہ سامان خود ہی لے گئے ورنہ یہ سامان کوئی چھ مہینے بعد ہی پہنچتا تھا۔ ہم سب کے ان ٹکٹس کا فائدہ ہوا۔

جب ہم Finally آئے تو ہم نے سارا سامان جمع کرادیا تھا کہ اب ہم نے عمرہ کر کے جانا ہے۔ دو دفعہ پہلے چھٹی آئے، تیسری دفعہ اس وقت آئے تھے۔ اس وقت لیبیا اور سعودیہ کی کشمکش چل رہی تھی اور سعودیہ والے لیبیا سے آنے نہیں دیتے تھے۔ سعودیہ والے کہتے تھے کہ یہ لیبیا سے آنے والے مصری سارے انقلاب پھیلاتے ہیں۔ اس دفعہ انہوں نے ہمیں آنے نہیں دیا۔ لڑکوں سے ہم نے سارا سامان پیک کرایا، Laggage ٹکٹ بھی تھا لیکن جاتی دفعہ انہوں نے کہا کہ تم سعودیہ سے نہیں جاسکتے۔ سیدھے جاؤ گے۔ انہوں نے یہ کہہ کے پھنسا دیا کہ ہم نے آپ کو سعودیہ کے لئے ٹکٹ نہیں دینا۔ اس دفعہ انہوں نے وہاں طرابلس سے اُٹھایا اور یہاں کراچی لا کے اتارا۔ پانچ گھنٹے لگے۔ ہم نے کہا کہ چلو ٹھیک ہے۔ ہم نے پھر واپسی پر سارا سامان ساتھ ہی رکھلیا اور پاکستان آگئے۔

قبلہ محمد صدیق ڈار ؒ کے خط بنام: پیر خان توحیدی

مورخہ: 10.08.1991

السّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰه !

آپ کا تحریر کردہ محبت نامہ آج ہی موصول ہوا۔ آپ کے خط میں تاخیر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا خصوصی فضل و کرم رکھے اور ہم سب کو ایک ٹیم کی طرح متحد ہو کر بانی سلسلہ قبلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تعلیم کے فیض کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ کریم سب بھائیوں کے دلوں سے شکوک و شبہات دور فرما کر باباجیؒ کی تعلیم پر سلسلے کو متحد فرمادے۔ آمین !

آپ کو راولپنڈی سے اطلاع مل گئی ہو گی کہ میں چند بھائیوں کے ہمراہ مورخہ 22 اگست قبل از دوپہر ولی محمد صاحب کے ہاں پہنچ رہا ہوں۔ 23 اگست کو پشاور روانہ ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور باباجیؒ کے طاقتور فیض کی بدولت برادران کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ یہ سب برادران کی قبلہ حضورؒ کی ذات اور ان کی تعلیم کے ساتھ سچی محبت کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے حق کو سمجھا اور حق و صداقت کا ساتھ دیا۔ اللہ نے مجھے بھی اسی گروہ میں شامل فرما کر احسان کیا ہے۔ الحمد للہ! میری خواہش ہے کہ باباجیؒ کے ہیروں جیسے بیٹوں کو ساتھ لے کر چلوں اور ان کے فیض کو عام کر دوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی تائید و نصرت سے نوازے اور میری کوششوں کو بارآور فرمائے۔ اور میری زندگی پیارے مرشد کے مشن کی خدمت میں صرف ہو جائے۔ میں باباجیؒ کا ادنیٰ سا خادم ہوں، انکے بیٹوں کا خادم ہوں، انکی تعلیم کا خادم ہوں اور میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے قبلہ حضورؒ کے سامنے سرخرو فرمائے آمین۔

بھائی تاج صاحب کو میں نے ملتان ائرپورٹ کے پتے پر خط لکھا تھا لیکن جواب نہیں ملا۔ اللہ جانے وہ وہاں ہیں یا کسی اور جگہ۔ ہری پور والے فضل الٰہی صاحب سے رابطہ کرنے کے لیے بھائی جان مرتضیٰ صاحب کو لکھا تھا، امید ہے وہ انہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔ والسلام

قبلہ محمد صدیق ڈارؒ کا خط بنام: عبدالرزاق صاحب

مورخہ: 28.02.2005

السَّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہ!

آپکا خط موصول ہوا، جواب میں تاخیر ہوگئی، کیونکہ میری اپنی صحت اچھی نہیں تھی، پھر والدہ صاحبہ انتقال فرما گئیں تو اپنے گاؤں نوکھر میں دو ہفتے کا قیام رہا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ چوک اعظم کا حلقہ بہت اچھا چل رہا ہے اور ترقی بھی کر رہا ہے۔ حلقہ ذکر آپ خود ہی کراتے ہیں یہ بہتر ہے کیونکہ خادم حلقہ کے فرائض میں ہے۔ لیاقت صاحب بڑے پریم والے بھائی ہیں اور شجرہ بھی بڑی محبت سے پڑھتے ہیں۔ حلقہ ذکر کے بعد پانچ دس منٹ کیلئے حضرت عبدالحکیم انصاریؒ کی کتابوں میں سے کچھ حصہ پڑھ کر سب بھائیوں کو سنانا چاہیے، اس کے لئے باری باری بھی بھائیوں کی ڈیوٹی لگائی جانی چاہیے تاکہ وہ تیاری کر کے آئیں اور دوسرے آدمیوں کے سامنے بولنے کی کوشش بھی ہوجائے اس طرح بھائیوں کی تربیت ہوتی ہے۔ آپ اپنا روزانہ نفی اثبات کا ذکر زیادہ کردیں۔ ایک سے دس تسبیح تک کرنے کی اجازت ہے۔ بیس پچیس منٹ کا کم ازکم ذکر کریں تاکہ تین چار تسبیح ہوجائے۔ اس طرح پاس انفاس بھی زیادہ بہتر ہوجائے گا پھر دوسرے بھائیوں کو بھی آپ سے زیادہ فیض ملا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اہلیہ کو شفائے کاملہ سے نوازے۔ آپ انہیں سات روز مندرجہ ذیل آیات پڑھ کر پانی دم کر کے نہار منہ پلائیں اللہ کے فضل سے شفاء ہوجائے گی۔ الحمد شریف، آیت الکرسی، سورہ خلق، سورۃ ناس: ایک ایک مرتبہ اور سلام قولاً مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْم: سات مرتبہ اور کوئی بیمار ہو، یا بچہ روتا ہو یا ڈرتا ہو تو یہی دَم کر کے پھونک مار دیا کریں یا پانی دم کر دیا کریں اور مریض نہار منہ، دوپہر اور رات کو پیئے اللہ تعالیٰ کے کرم سے تکالیف دور ہوجائیں گی۔ میری طرف سے تمام برادران حلقہ اور اہل خانہ کو سلام، آپ خط لکھتے رہا کریں۔

والسلام

نوائے عارف

(عیدملن پارٹی پر شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی کی گفتگو)

(مرتب: ماجد محمود توحیدی)

ہمارے بھائی بہت اچھے طریقے سے دعوت کو پھیلانے کے لئے عمل کر رہے ہیں۔ بڑا جوش وجذبہ نظر آرہا ہے۔ الحمد للّٰہ، ثم الحمد للّٰہ ہمارے بھائی اگر اسی طرح صاحبِ عمل رہے تو ہماری ترقی ناگزیر ہے۔ بس اصل بات یہ ہے کہ ہم جو کچھ کہیں، اس پر عمل بھی کریں۔ یہی باتیں آج بھائیوں نے مختلف انداز میں کہی ہیں۔ آج سے پہلے 1976ء میں بانی سلسلہ قبلہ انصاری صاحبؒ نے تمام توحیدی بھائیوں کی یہ ڈیوٹی لگائی تھی۔ فرمایا تھا کہ اب وقت گزرتا جا رہا ہے، میں نے ماشاءاللہ پوری استعداد سے سب بھائیوں کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ آگے بات کریں۔ ہر ایک بھائی کو بات کرنی شروع کر دینی چاہئے اور آئندہ اجتماع میں ہر بھائی ایک بھائی کو بنا کر اجتماع میں لے کر آئے۔ اسے حلقہ کی تعلیم سے مکمل طور پر آگاہ کر کے اور تربیت کر کے، اس کی اصلاح کر کے۔ اس وقت انصاری صاحبؒ تمام بھائیوں سے اس قدر پر امید تھے کہ اگر یہ بات کریں تو یہ کسی ایک آدمی کو، کسی ایک بھائی کو پورے سال میں بنا کر، اللہ اللہ کرنے والا بنا کر کنونشن میں لے کر آئیں گے۔ یہی بات 2003 یا 2004ء میں باباجیؒ (جناب محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ) نے بھی ہمیں بتائی۔ اس وقت بھی اگر ہم یہ کام نہیں کریں گے تو پھر کب کریں گے؟ ہم بہت لیٹ ہو چکے ہیں، ہم کب بات کریں گے؟

الحمدللّٰہ! اب یہ احساس میرے بھائیوں میں سب میں پایا جانے لگا ہے کہ اگر اس احساس کو عملی جامہ پہنائیں اور ہر بھائی کوشش کرنا شروع کر لے کہ میں نے آئندہ اجتماع پر

آتے وقت ایک مسلمان کو اپنے ساتھ اپنے جیسا بنا کر لے کے آنا ہے۔اس سے بڑی کوئی خواہش اچھی ہو نہیں سکتی۔انصاری صاحبؒ کا کہنا ہے کہ اگر آپ نے زندگی میں کسی ایک بگڑے ہوئے آدمی کو اللہ اللہ پہ لگا دیا تو سمجھو آپ نے اپنی نجات کا ذریعہ بنالیا۔یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا درجہ ویسے بھی بلند ہے لیکن اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپؓ کے توسط سے بڑے بڑے جید صحابہؓ ایمان لے آئے۔آپؓ کی تعلیم سے، آپؓ کے سمجھانے سے۔آپؓ کا درجہ اس سے بھی بلند ہوا۔آج بھی اگر ہم لوگ سب مل کر یہ کوشش کرنی شروع کریں تو آج کے اس موجودہ دور میں جس مقصد کے لئے آپ سلسلہ میں شامل ہوئے ہیں اس مقصد کے آپ قریب تر ہو سکتے ہیں۔اگر آپ Individually یہ سفر کر رہے ہیں تو آپ کے ساتھ ایک اور ساتھی بھی شامل ہو جائے۔جس آدمی نے مجھے سلسلہ توحیدیہ سے متعارف کرایا تھا میں اسے آج بھی اپنی دعاؤں میں شامل رکھتا ہوں۔سب سے پہلے میں اس کے لئے دعا کرتا ہوں۔میرا خیال ہے کہ یہ ہر ایک کا رویّہ ہوگا کہ جس جس نے بھی حلقۂ توحیدیہ میں شامل ہونے کے لئے کسی کو تبلیغ کی ہے اور وہ شامل ہو گیا ہے تو وہ اس بھائی کو کبھی نہیں بھولتا۔اس طرح آپ بھی جب لوگوں کی دعاؤں میں شامل ہو جائیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کی ترقی بھی کئی گنا بڑھ جائے گی۔ لہٰذا مہربانی کریں اب سب بھائی اپنی ڈیوٹی کو سنبھالیں۔

آپ کے ذمے صرف یہ نہیں ہے کہ آپ نے اللہ اللہ کرنی ہے، مزے لئے اور سو گئے۔آپ کے ذمے انصاری صاحبؒ نے معاشرے کی اصلاح کا کام لگایا ہے۔سب سے لازمی اور بڑا مقصد معاشرے کی اصلاح ہے اور یہ کام ایسے نہیں ہوگا۔سب سے پہلے آج جیسے عبدالقیوم ہاشمی صاحب نے اخلاق کی ضرورت پر زور دیا، یہ ہے۔اگر ہمارا اخلاق صحیح نہیں ہے تو ہم کسی سے بات بھی نہیں کر سکتے۔اگر ہمیں بات کرنے کی تمیز ہی نہیں ہے تو ہم اگلے سے کیا بات کریں گے؟ اس لئے سب سے پہلے اپنے اخلاق پر نظر رکھیں۔آپ اپنے آپ کو اس قابل بنائیں۔ دنیا میں اصلاح سب سے مشکل کام ہے۔یہ یاد رکھیں! جو آدمی مصلح بن کے گزرتا ہے،

اسے گالیاں کھانی پڑتی ہیں، بعض دفعہ بڑی بڑی ماریں کھانی پڑتی ہیں۔حضور اقدس ﷺ کی حیات مبارکہ ہماری نظروں کے سامنے ہے۔آج بھی وہ یہاں لاگو ہے۔لہٰذا یہ اصلاح کا کام صرف وہ آدمی کرسکتا ہے جس میں قوت برداشت ہو۔ہم نے یہ سبق سب سے پہلے آپ کو دیا ہے۔اگر اس پر آپ عمل کریں تو یقیناً آپ میں برداشت کی قوت بہتر ہو سکتی ہے۔وہ سبق کیا ہے؟ غصے پر کنٹرول،نفرت نہیں کرنی،محبت کرنا،پوری دنیا سے بغیر کسی بات کے۔اس محبت پر جو عمل کرتا ہے،غصہ اور نفرت نفی کرتا ہے، اس میں خود بخود برداشت کی طاقتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہی اصلاح کے قابل ہوتا ہے۔اگر وہ اصلاح کے لئے کام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی کوشش کو بارآور ثابت کرتا ہے۔دعا کریں اللہ تعالیٰ ہم سب کو، جو اس مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں، کامیاب فرمائے۔آمین۔دعا.....

پہلی توجہ یہ ہے کہ ہمیں اپنا احتساب کرنا ہے۔اپنا یہ احتساب کرنا ہے کہ کیا ہم خدا کی جانب دن بدن بڑھ رہے ہیں؟ وہیں کھڑے ہیں؟ یا خدانخواستہ پیچھے گئے ہیں؟ اپنا جائزہ لینا ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: التقویٰ ھاھنا ۔ دل کی طرف اشارہ کیا کہ تقویٰ یہاں پہ ہے۔ یہاں پہ تقویٰ ہے۔قرآن میں ایک دفعہ کہا کہ جب حج کرنے جاؤ تو وَتَزَوَّدُو ۔ اپنے ساتھ زادِ راہ لے لو۔فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى. آگے اللہ نے کہا کہ بہترین سامان تقویٰ ہے۔یعنی حج کرنے جانا ہے تو پیسہ ہونا چاہئے ،اُدھر ضرورت پڑے گی،اللہ کہتا ہے لیکن وہ نہیں ہے تو بہترین سفر کا سامان تقویٰ ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تقویٰ یہاں پہ ہے۔اللہ کہتا ہے کہ روزے فرض کئے تقویٰ کے لئے۔

سلسلہ توحیدیہ کی انفرادیت

(عید ملن پارٹی کے موقع پر مرکز تعمیر ملت پر گفتگو)

(عبدالقیوم ہاشمی صاحب۔ گوجرانوالہ)

سلسلہ توحیدیہ میں ویسے تو کئی باتیں ایسی ہیں جو باقی سلاسل ہائے تصوف سے منفرد ہیں۔ ہمارے سلسلہ کی جو دو نمایاں خصوصیات ہیں ان میں سے ایک تو تزکیہ اخلاق ہے۔ یہاں سیرت و کردار پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ باقی سلاسل میں بھی ہے لیکن اس طرح سیرت و اخلاق کی بات باقی سلسلوں میں نہیں ملتی۔ ہمارے سلسلہ میں الحمدللہ ذکر اذکار پر بھی زور دیا جاتا ہے لیکن ساتھ سیرت و کردار پر بھی بہت زور دیا جاتا ہے، اسے لازمی خیال کیا جاتا ہے۔ ایک تو یہ ہمارے سلسلہ کی انفرادیت ہے جس طرف ہمارا دھیان زیادہ ہونا چاہئے۔ اس اخلاق کے لئے یہ ہے کہ ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہئے، احتساب کرتے رہنا چاہئے کہ ہمارے اخلاق میں بہتری ہو رہی ہے، وہیں پہ ہے، یا نیچے آرہا ہے۔ اس لئے اخلاق والا کام محنت سے کرنے سے ہوگا۔

برے اخلاق جیسے غصہ، نفرت، حسد، بغض، جھوٹ، غیبت وغیرہ یہ جڑی بوٹیوں کی طرح خود ہی انسان کے اندر سے نکلتی ہیں۔ ان کے لئے کوئی محنت نہیں کرنا پڑتی۔ غصہ کرنے کے لئے، نفرت کرنے کے لئے، حسد کرنے کے لئے انسان کو کوئی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ نہ کوئی محنت کرنا پڑتی ہے، یہ خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔ جس طرح ایک اچھی فصل تیار کرنے کے لئے کسان کو محنت کرنی پڑتی ہے۔ زمین کو ہموار کرنا پڑتا ہے، اس میں اگانے کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ بیج لے کر آئیں گے، کھاد اچھی ڈالیں گے، پانی صحیح وقت پر دیں گے یا بارش ہوگی، سورج کی روشنی جو ہے وہ چاہئے اس کے لئے تو ایک کسان کو ان ساری باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر اچھی فصل کی امید لگا سکتے ہیں۔

جس طرح ایک کسان اپنی فصل کے لئے محنت کرتا ہے اسی طرح ہمیں بھی اپنے اخلاق حسنہ کے لئے محنت کرنی پڑے گی۔اس کے لئے ہمیں یہ جڑی بوٹیاں سب سے پہلے تو یہ نکالنی پڑیں گی۔ہمارے اندر یہ بداخلاقی والی جڑی بوٹیاں پہلے یہی دور رہوں گی تو پھر اچھے اخلاق کی بات پیدا ہونا شروع ہو جائے گی۔آپ اگر دیکھیں تو قرآن پاک میں بھی نبی پاک ﷺ کی بعثت کا جو مقصد ہے اس میں قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ ہی یــزکیـکــم یعنی تزکیہ اخلاق آجاتا ہے کہ آپ نے ساتھ ہی تزکیہ اخلاق کرنا ہے۔

ہم سب کو اپنا احتساب خود ہی کرنا چاہیئے۔یہ ضروری نہیں ہے کہ شیخ سلسلہ آپ سے بات کریں یا آپ کو ہر وقت وہ یہ بتاتے رہیں کہ آپ میں یہ غلط ہے۔یہ احتساب ہم سب کو اپنا خود ہی کرنا چاہیئے۔شیخ سلسلہ تو دیکھیں گے ہمیں۔اگر ہم میں کوئی بہتری ہو گی تو وہ اس پر ہمیں شاباش دیں گے اور ہماری حوصلہ افزائی بھی کریں گے۔یہ کام تزکیہ اخلاق کا اور محاسبہ کا یہ کام تو ہر فرد نے اپنے طور پر ہی کرنا ہے۔ہمیں چاہیئے کہ ہم سب لوگ اس طرف زیادہ توجہ دیں اور ہر وقت اپنا محاسبہ کرتے رہیں۔ذکر اذکار ہمارے بھائی الحمدللہ بہت اچھا کرتے ہیں۔یہ تزکیہ اخلاق والی بات کی طرف سے ہم لوگ ابھی کمزور رہیں،اس طرف کمی ہے ہماری۔عرصہ دراز سے سلسلہ توحیدیہ میں ہیں،تعلیمات کو بھی پڑھا ہے،سمجھا ہوا ہے لیکن عمل نہیں کرتے۔

ایک تو یہ ہمارے سلسلہ کی خصوصیت ہے تزکیہ اخلاق کی،سیرت وکردار،اس کی طرف ہم سب بھائیوں کو توجہ کرنی چاہیئے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اس حوالے سے اپنے آپ کو سنبھالیں۔ دوسری ہمارے سلسلہ کی انفرادیت وہ تعلیمات ہیں جن میں اللہ کے قرب والی اور دیدار باری تعالیٰ والی بات ہے۔دیگر سلاسل میں یہ تعلیمات بھی نہیں ملتیں۔یہ بھی ہمارے سلسلہ کی انفرادیت ہے۔بانی سلسلہؒ نے اللہ کے قرب کا پورا نصاب اپنی کتب میں ہمیں دے دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں اس نعمت کی بھی قدر نہیں۔اگر ہم اپنا اخلاق،سیرت وکردار ٹھیک کرلیں گے

تو یہ اللہ کے قرب والی لائن اس میں آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ خود مہربانی فرمادے گا۔ یہ دو خصوصیات جو ہمارے سلسلہ کی ہیں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بڑی خاص قسم کی ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی باتیں ہیں جیسے ہم بھائی بہت زیادہ اپنا حلیہ یا دکھاوا نہیں کرتے وہ پیروں والا، روحانیت دکھانے والا، دوسرے لوگ جیسے منکے، تسبیحاں پہن کے اپنا دکھاوا کرتے ہیں ہمارے ہاں ایسا نہیں۔ الحمدللہ! ہمارے بھائی نارمل ماحول میں، اپنے بھائیوں کے ساتھ، عام انسانوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ محسوس بھی نہیں ہوتا کہ اندر یہ اللہ اللہ کررہے ہیں، اللہ کے قرب والی لائن پر ہیں۔

بس یہی گزارش ہے کہ اللہ کے قرب کے لئے ہم لوگ ادھر جمع ہوئے ہیں، اس کی طرف ہی ہمارا زیادہ فوکس ہونا چاہئے۔ اِدھر اُدھر باقی دوسرا کوئی کیا کررہا ہے، کیا نہیں کررہا، اس ٹوہ میں پڑنے کی بجائے، ٹائم تھوڑا ہے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ نہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، حق بات کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔ بس میری اپنے بھائیوں سے یہی گزارش ہے کہ ہم اللہ والی لائن پر ہیں، ہمیں اپنے اخلاق و کردار پر، بہت محنت کی ضرورت ہے۔

انسان

(عبدالرشید ساھی)

سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماع میں تشریف لانے والے مہمانوں کو دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید اور مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ زندگی کے مصروف ترین لمحات کو تلاش حق پر قربان کرنا کسی کے بس کا روگ نہیں بلکہ یہ رب کبریا کا خصوصی کرم اور انتہائی عنایت ہوتی ہے، فضل اور کرم کا دروازہ ہر کسی کے لیے نہیں کھلتا، خاص نصیبوں والوں کے لیے کھلتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

نگاہ عشق، دل زندہ کی تلاش میں ہے   شکار مردہ سزاوار شہباز نہیں

عظیم مقصد کے حصول کے لیے عظیم قربانی کی ضرورت ہوتی ہے تب کہیں جا کے گوہر نایاب حاصل ہوتا ہے۔ انشاء اللہ آج میں آپ کی خدمت میں ''انسان'' کے عنوان سے اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

یہی انسان ہے سلطان بحر و بر کا   کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا

نہ خود بیں نے خدا بیں نے جہاں بیں   یہی شاہکار ہے تیرے ہنر کا

انسان کی عظمت کا، اس کے مقام کا کیا کہنا یہی انسان زمین پر خدا کا نائب ہے۔ یہاں دو چیزیں غور طلب ہیں۔ خلیفہ کسے کہتے ہیں؟ اور انسان کو منصب خلافت پر کیوں فائز کیا گیا؟ خلیفہ وہ ہے جو کسی کے ملک میں نائب کی حیثیت سے اس کے احکام پر عمل کرائے۔ اس منصب کے لیے انسان کے انتخاب کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں ان کی استعداد، علم اور ان کا دائرۂ عمل محدود ہے۔ لیکن انسان جو ابتداء میں ضعیف بھی ہے اور جہول بھی، اس میں وہ استعداد رکھ دی گئی ہے اور عقل و فہم کی وہ قوتیں ودیعت فرما دی گئی ہیں جن کے

تصرفات کی حد نہیں۔اس لیے خلافت کی حقدار صرف اور صرف یہی مخلوق ہے۔جناب اسماعیل حقیؒ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں ''انسان مختلف عناصر سے مرکب ہے اس کی صورت کا تعلق عالم محسوس سے ہے اور اس کی روح کا تعلق عالم غیب ملکوتی سے ہے۔صورت وروح کے علاوہ اس میں ایک پوشیدہ قوت ہے جو انوار ربانی کے فیض کو قبول کرنے کی استعداد رکھتی ہے۔اچھی تربیت سے وہ عالم محسوس سے ترقی کر کے عالم غیب تک رسائی حاصل کرتا ہے اور نبی رحمت ﷺ کی حقیقی پیروی سے اس پر عالم جبروت وملکوت کی راہیں کھلتی ہیں۔وہ الٰہی نور جو اس اطاعت و پیروی سے اسے حاصل ہوتا ہے،اس سے وہ جلال و جمال کے انوار تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے جو انسان کو صرف مٹی کا پتلا سمجھتے ہیں کاش اس کی حقیقت پر غور کریں کہ یہ خلیفۃ الارض ہے،نائب ذات باری تعالیٰ ہے اشرف المخلوقات ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خدا نے اس کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔ پھر تمام علوم ظاہری و باطنی اس کی سرشت میں ڈال دیے ہیں،مسجود ملائک ہے،اتنا خدا کو پیارا ہے کہ اللہ بندے سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔حالانکہ ایک ماں کے پیار کی گنتی کرنا دشوار ہے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے احترام سے انکار پر ابلیس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راندہ درگاہ بنا دیا۔عالم غیب سے جلالت سے بھرپور آواز گونجی ،نکل جا میرے آسمانوں سے'' آج بھی اگر کوئی انسانیت کا احترام نہیں کرتا تو وہ ابلیس کے ساتھ شمار ہوگا۔انسان وہ ذرہ ہے جس کے سامنے آسمانوں کی رفعتیں سرنگوں ہیں اور یہ وہ قطرہ ہے جس میں سمندر کی گہرائیاں ہیں۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

تیرا جوہر ہے نوری پاک ہے تو　　فروغ دیدہ افلاک ہے تو
تیرے صید زبوں فرشتہ و حور　　کہ شاہین شہہ لولاک ہے تو

سورۃ الرحمٰن علم القرآن۔خلق الانسان

اللہ تعالیٰ،قرآن حکیم اور انسان ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔اللہ تعالیٰ نے زمانہ بھر میں اپنی آشنائی کروانے کے لیے حضرت انسان کو تخلیق فرمایا۔انسانی تخلیق سے پہلے بھی خدا موجود تھا مگر اس کی خدائی کا ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرنے والا کوئی نہیں تھا اس کی بہت ساری

نعمتیں تو موجود تھیں مگر ان کا قدر دان کوئی نہیں تھا۔ اللہ کی ثنا تو اس کی ساری مخلوقات اور شجر حجر بھی کرتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ عشق کرنے والی کوئی مخلوق نہ تھی علامہ فرماتے ہیں۔

بہتر ہے کہ بےچارے مملوں کی نظر سے پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات

انسان خدائی تخلیق کا حسین ترین شاہکار ہے، انسان شہباز لامکانی ہے، انسان میں خدائی صفات کا پرتو موجود ہے۔ انسان خدائی روح سے مزین ہے۔ انسان بے پناہ خدائی قوتوں اور صفات کا مجموعہ ہے لیکن یہ سارے مقامات اتباع رسول ہاشمی ﷺ سے آشکار ہوتے ہیں۔ عشق رسول ﷺ خدا کے بغیر انسان فقط مٹی کا پتلا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات ماڈل ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

؎ جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی کھلتے ہیں غلاموں پہ اسرار شہنشاہی

انسان کے اندر ذات کبریا نے اپنی روح پھونکی ہے۔ اسی وجہ سے انسان ذات الٰہی کا پرتو ہے۔ جب انسان کی شدید ترین محبت اپنے خالق کے ساتھ ہو جاتی ہے تو اس کو اپنے چارسو خدائی صفات ہی نظر آتی ہیں اور اس وقت کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انتہائی خوشی اور انتہائی غم بھی انسان کو ذکر الٰہی سے غافل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے ”خبردار دلوں کا سکون یادِ خدا میں ہے“ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

کھولی ہیں شوق دید نے آنکھیں تری اگر
ہر راہ گزر پہ نقش کف پائے یار دیکھ

جب رضائے الٰہی مقصد حیات بن کر انسان کی پوری زندگی پر محیط ہو جائے تو اس کا ہر فعل عبادت اور بندگی قرار پائے گا خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے فرمایا ہے کہ انسان کو ”Living Wire“ ہونا چاہیے ایک تار جس میں بجلی نہ ہو، ہرگز وہ کام نہیں کر سکتا جو بجلی سے بھرا ہوا تار یعنی ”Living Wire“ کر سکتا ہے ذہین ڈاکٹر مردہ جسم کو انجکشن نہیں لگاتے۔ علامہؒ فرماتے ہیں:

دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

اللہ والے انسان ایک زندہ تار کی مانند ہوتے ہیں۔ان کی رگ رگ میں ایک ایسی برقی قوت اور مقناطیسی کشش ہوتی ہے آدمی خواہ مخواہ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر عمل کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔میرے اپنے ساتھ بھی ایسی ہی واردات ہوئی۔ یہ 21اپریل 1994 کی بات ہے جب مجھے مرحوم شفیق خاں صاحب جو صرف نام کے شفیق نہیں تھے۔انتہائی انسان دوست شخصیت کے مالک تھے۔مجھے ساتھ لے کر قبلہ مرشد محمد صدیق ڈار صاحبؒ سے ملایا۔پاک آئل مل چھچھر والی گوجرانوالہ میں سالانہ کنونشن تھا۔مرد قلندر درویش حق ڈارؒ صاحب نے پہلی ہی نظر میں میری زندگی کا سارا نظام بدل دیا۔سارے کا سارا غرور، تکبر، رعونت اور جھوٹی چودھراہٹ کا نشہ کافور کر دیا اور فرمایا فقیری کا سلیبس یہی ہے کہ گالیاں سن کر دعائیں دو۔ہماری تو ذات کبریا کے سامنے اوقات ہی کوئی نہیں۔اللہ کے رسولوں نے جو کہ selected انسان تھے ایسا ہی کیا۔پیغمبر تن تنہا آئے ہمیشہ کامیاب رہے۔بڑے بڑے جابر حکمرانوں اور وحشی انسانوں کی گردنیں جھک گئیں۔جو درس رسولوں نے دیا اور جن ہستیوں نے اس پر من وعن عمل کیا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب قرار پائے اور جس کو بھی محبت سے دیکھا اس کی دنیا بدل کر رکھ دی۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

اللہ والوں سے بھی سب کو فیض نہیں ملتا، جتنے آدمی ان سے ملتے ہیں ان میں سے جو ملنے کے قابل نہیں ہوتے ان کا دل ان کی طرف کبھی مائل نہیں ہوتا باوجود اس کے وہ ان سے بھی بڑے پیار اور اخلاق سے ملتے ہیں اور جو خدمت بھی ممکن ہو اس سے گریز نہیں کرتے۔دراصل اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی نشاندہی کر دی ہے اور واضح ارشاد فرمایا ہے کہ میرے پیارے

حبیب ﷺ آپ کا کام صرف پیغام دینا ہے ہدایت کا شعبہ میرے پاس ہے ۔

کوئی آیا اور لے کر چلا گیا، کوئی عمر بھر بھی نہ پا سکا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرا ن کلیسا کو کلیسا سے ہٹا دو

موجودہ دور میں پیری فقیری کا جو سلسلہ چل رہا ہے جس کا شریعت محمدی سے دور دور تک کوئی واسطہ اور تعلق ہی نہیں ہے ۔ یہ عالم اسلام اور مسلمان قوم کے خلاف ایک بہت بڑی سازش ہے قبلہ ڈار صاحبؒ فرمایا کرتے تھے سکہ رائج الوقت وہی چلے گا جس پر مہر محمدی لگی ہو گی باقی ساری کرنسی دو نمبری شمار ہو گی علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے:

یہ معاملے ہیں نازک جو تیری رضا ہو تو کر
مجھے پسند نہ آیا یہ طریق خانقاہی

دراصل خانقاہی نظام نے اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے بہت کام کیا ہے اور دین اسلام کے پھیلانے میں اس نظام کا بہت بڑا کردار ہے مگر آج کل تو یہ صرف دولت اکٹھی کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے پیر صاحبان پراڈو اور پجارو پر سفر کرتے ہیں ساتھ آٹھ آٹھ گن مین ہوتے ہیں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جب عثمان چیمہ صاحب مرشد کی تلاش میں پہلی مرتبہ میرے ساتھ قبلہ ڈار صاحبؒ سے ملے تو انہوں نے پچاس ہزار روپے بابا جان کی نذر کیے تو قبلہ ڈار صاحبؒ نے یہ کہہ کر کہ ''فقیروں کو اس کی کوئی حاجت نہیں'' انکار کر دیا علامہؒ فرماتے ہیں:

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر

عالم اسلام کو اس وقت دنیا میں جس ذلت اور خواری کا سامنا ہے اس کی وجہ خود ہماری بد

اعمالیاں، خامیاں، کوتاہیاں اور مذہب سے دوری کے سوا کچھ نہیں اگر آج بھی ہم نبی رحمت ﷺ کی ذات کو ماڈل بنا کر زندگی گزارنے کا عزم کرلیں اور اچھے مسلمان بن جائیں تو کھوئی ہوئی عزت اور عظمت دوبارہ مل سکتی ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

آج ہیں خاموش وہ دشت جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلیٰ رہی لیلیٰ کے دیوانے رہے

اس مرتبہ میں اپنی فیملی کے ساتھ اللہ کے فضل سے حج پر گیا تو میں صحن کعبہ میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ امت مسلمہ کی عبادت کا رکن جو حج ہے ہم مسلمان اس کی حقیقی روح تک نہیں جارہے صرف exercise ہے اور اللہ سے دعا کے انبار ہیں، حالانکہ خانہ کعبہ کو مسلمانوں کا مرکز بنا کر اس سے مسلمان قوم کے اتحاد اور ملت اسلامیہ کے مفادات اور تحفظات کا بڑا کام لیا جاسکتا ہے مجھے قبلہ انصاریؒ کے یہ الفاظ یاد آئے مسلمانوں کو، مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ کو ملت اسلامیہ کا مرکز بنا کر تمام ممالک کے نمائندوں کی مجلس مشاورت ترتیب دینی چاہیے اور ایک ہی امیر ہو جو اس کو کنٹرول کرے اس میں تمام اسلامی ممالک کے تنازعات کا فیصلہ پنچائت کے اصول پر ہوا کرے تمام بین الاقوامی مسائل یہیں طے ہوں اور جب دنیا میں مختلف اسلامی ممالک کو اغیار سے خطرہ ہو تو اس کے دفاع کا بندوبست بھی یہاں سے کیا جائے۔

یہ یاد آتے ہی میں اٹھا طواف کے دوران یہی دعا زبان پر جاری ہوگئی، یا اللہ میری دھکے کھاتی قوم کو پھر سے آباد کردے اور وہی سطوت اور عظمت عطا کردے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

؎ تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سر دارا

جماعت کی ترقی کے لیے رابطہ کی اہمیت

(عبدالکریم صاحب: راولپنڈی)

بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تعمیر ملت میں رابطہ یا تنظیم سے متعلق ہمیں جو تعلیم دی اس کا آغاز انہوں نے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 200 سے کیا ہے۔

یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ اصْبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

ترجمہ: ''اے ایمان والو! صبر کرو، صبر دلاؤ اور باہم ملے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو شاید تم اپنی مراد کو پہنچو''۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ پاک نے صرف مومنین کو خطاب کیا ہے۔ اور چار احکامات پر عمل درآمد کا حکم دیا ہے۔

۱) صبر کرو ۲) صبر دلاؤ ۳) باہم ملے رہو یا رابطہ اور

۴) اللہ سے ڈرتے رہو

پہلے تین احکامات پر عمل پیرا ہونے کے لیے ہمیں اللہ سے ڈرنے کی بھی ضرورت ہے یعنی ہم نے ان احکامات پر ان کی روح کے مطابق عمل کرنا ہے اپنی طرف سے کمی بیشی سے اجتناب کرنا ہے، ان چاروں احکامات پر بہ حسن و خوبی عمل پیرا ہونے کی صورت میں اللہ پاک نے ہمیں فلاح کی خوشخبری سنائی ہے۔ فلاح کیا ہے، ''فلاح آدمیت'' شمارہ مئی 2019 میں پیر خان بھائی کا مضمون بعنوان ''مومنین کے اوصاف'' شائع ہوا ہے جس میں آپ نے فلاح کی تعریف یوں کی ہے ''ہر مراد حاصل ہو اور ہر تکلیف دور ہو، یعنی کامل فلاح حاصل ہونے کے بعد انسان کی کوئی خواہش تشنہ نہیں رہتی، انسان مکمل مطمئن اور مسرور ہو جاتا ہے۔

رابطہ کا مطلب ہے کہ جماعت کے تمام ٹکڑوں اور حصوں میں باہمی تعلق اور

تعاون عمل بدرجہ اتم موجود رہے، کوئی حصہ کسی دوسرے حصے سے کسی وقت بھی بے خبر نہ ہونے پائے۔ جس طرح انسان ظاہری شکل وصورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اسی طرح تمام انسان اپنی ضروریات کوائف اور جذبات کے لحاظ سے مختلف ہیں، ہر جماعت یا قوم میں مختلف طبقے پیدا ہوتے ہیں جو مختلف پیشے اور فن اختیار کرتے ہیں، ہر طبقہ دوسرے طبقے یا گروہ کی مدد کا محتاج ہوتا ہے، اور اپنے پیشے کے لحاظ سے پوری قوم کا کفیل بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان طبقات میں باہمی ارتباط اور تعاون عمل نہ ہو تو پوری قوم کے نظام میں خلل آجاتا ہے۔ یہ جماعت کمزور ہو جاتی ہے۔ طاقتور جماعت کے لیے تنظیم یا رابطہ کا مکمل ہونا انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ مزید بتاتے ہیں کہ تنظیم کا صرف ایک ہی طریقہ ہے، یعنی تمام طبقات ایک مرکز سے جڑ جائیں اور تمام چھوٹے مراکز ایک مرکز واحد سے منسلک ہو جائیں۔ تمام مراکز اور مرکز واحد اپنے تمام ارکان کی تکالیف اور ضروریات سے بخوبی واقف ہوں، ان کے تمام مسائل حل کرنے کا بندوبست کریں اور ان سے مناسب کام لیتے رہیں۔ تمام ارکان کی نگرانی کریں اور ان کو قابو میں رکھیں۔ مرکز جس قدر مضبوط اور ہر دلعزیز ہوگا اسی قدر جماعت طاقتور اور خوشحال ہوگی۔

حضرت عمرؓ کے دور تک تمام مسلمان اپنے مرکز سے بے پناہ محبت اور اعتماد کرتے تھے، اسلامی عبادات نماز اور حج کی ترکیب اس نہج پر رکھی گئی ہے کہ تنظیم کا ڈھانچہ خود بخود مکمل ہو جاتا ہے، پانچ نمازیں محلّہ کی مسجد میں، نماز جمعہ جامع مسجد میں، عیدین کھلے میدان میں اور حج مکہ مکرمہ میں، اسی ترتیب سے جماعت کے ارکان بڑھتے جاتے ہیں اور مسائل اور حالات سے آگاہی اور ان کے تدارک کی اہلیت میں بتدریج اضافہ ہو جاتا ہے، یعنی انفرادی اور معمولی مسائل محلّہ کی مسجد میں اور بڑے اور انٹرنیشنل معاملات یا پوری امت کے مسائل حج کے موقع پر۔ عبادات کی نہج پر خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ توحیدیہ کی تنظیم کی ہے، جو قریبی بھائی آسانی سے آپس میں مل سکتے ہوں تو زیادہ سے زیادہ ملاقات کریں، تمام بھائی اپنے حلقہ میں ہفتہ وار ذکر میں شامل ہوں، اور حلقہ ذکر کے بعد خوب گپ شپ کریں۔ مقصد ایک دوسرے کے حالات و واقعات سے

آگاہی ہے، اور جو مدد ہو سکے وہ کریں۔ سالانہ اجتماع پر ملک بھر سے توحیدی مرکز میں جمع ہوتے ہیں کہ تنظیم کے سلسلے میں خاص ہدایت یہ ہے کہ ہر بھائی کوشش کر کے ایسے بھائیوں سے ملیں جنہیں وہ پہلے سے نہ جانتا ہو مقصد دوسرے شہروں یا دیگر حلقوں کے بھائیوں کے حالات سے آگاہی ہے، مرکز پر دیگر اجتماعات اور میٹنگز میں بھی قریبی بھائی یا جن کو سہولت ہو ضرور شامل ہوں تاکہ رابطہ مضبوط اور جماعت ترقی کرے۔ جیسے کہ نماز اور حج کے ثمرات گنوائے گئے اسی طرح ان اجتماعات کے فوائد بھی سمجھنے چاہئیں۔

انصاری صاحبؒ نے مزید راہنمائی فرمائی کہ تنظیم کے بغیر اتحاد ممکن نہیں اور اتحاد بغیر جماعت ترقی نہیں کر سکتی بلکہ جماعت تباہ و برباد ہو جاتی ہے، رابطے کے بغیر جماعت کے دیگر افراد کے مسائل کا معلوم ہونا مشکل ہے اور ان کا تدارک بھی مشکل ہے۔ جماعت بندی اور اس کی ترقی کے پانچوں اصول باہم ایک دوسرے سے منسلک اور ایک دوسرے کی تشریح بھی کرتے ہیں۔

اتحاد کے ضمن میں خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دو احادیث نقل فرمائی ہیں:

"تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اگر اس کی آنکھ یا سر میں تکلیف ہو تو سارا جسم بے چین ہو جاتا ہے"

"اگر عضو میں تکلیف ہو تو سارے بدن میں بیداری اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔

اب اگر تنظیم یا رابطہ کا فقدان ہو تو دوسروں کے مسائل و تکالیف کا کیسے پتہ چلے گا اور کیسے ہمارے جسم میں حرارت یا بیداری پیدا ہو گی۔ ایک عضو بدن کے ساتھ ہو تو اس کی معمولی تکلیف بھی سارا بدن محسوس کرتا ہے اگر ناخن کاٹ کر الگ کر دیں اور اب اس کے کئی ٹکڑے کر دیں جسم کو کچھ محسوس نہیں ہو گا۔ بعینہ اسی طرح جو انسان اپنی جماعت سے کٹ کر الگ ہو جائے اس کی تکلیف جماعت کے علم میں کیسے آئے گی۔

دُعا

(پروفیسر محمد شبیر شاھد ھوتوانی)

دُعا کے معنٰی : دُعا کے لغوی معنی ہیں پکارنا، التماس کرنا، درخواست کرنا، عرض کرنا، مناجات کرنا، طلب کرنا۔

انسان ہر مشکل میں اللہ ہی کو پکارتا ہے پرستش اور پکار انسان کی سرشت میں ہے۔ بے شک اللہ ہی انسان کی حاجات کا ملجٰی و ماوی ہے۔ عبادت اور دُعا میں یک رُخ اور یکسو ہونا ضروری ہے، خشوع وخضوع ذہنی یکسوئی سے دُعا کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی قربت کا احساس ہو، عجز وانکساری ہو، یہ محسوس ہو کہ آپ براہ راست اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہیں۔ دُعا کا مسنون طریقہ ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا ہے دونوں ہاتھ سینے کے سامنے آ جائیں دونوں ہاتھوں کے درمیان معمولی سا فاصلہ ہو۔ ہاتھوں کے اندرونی حصے کو چہرے کے سامنے رکھے۔ جس کے لئے دُعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے، دُعا کی قبولیت کے لئے طعام و لباس کا حلال ہونا ضروری ہے، دُعا میں اصرار و یقین پیدا کرنا چاہیے۔ خلوصِ دل سے نکلی ہوئی دُعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ غافل دل کی دُعا قبول نہیں فرماتا، اللہ تعالیٰ ہر وقت، ہر جگہ اپنے بندے کی دُعا ہر حال میں سنتا ہے لیکن رات کے پچھلے پہر کی دُعا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

یہ کامل یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ خلوص دل سے نکلی ہوئی دُعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قبولیت انسان کی مرضی کے مطابق ہو یا اللہ کی مرضی کے مطابق۔ جو خوش قسمت لوگ اپنی خواہشات اور مرضی کو اللہ کی رضا کے تابع رکھتے ہیں، کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک دونوں صورتیں برابر ہوتی ہیں۔ عبدیت کی یہ شان اگر مستحکم ہو کر ترقی پاتی رہے تو رفتہ رفتہ انسان کی رسائی مقامِ مرادیت تک بھی ممکن ہو سکتی ہے۔

دُعا سے زیادہ کوئی وظیفہ موثر نہیں۔وظیفوں کا سہارا لے کر کچھ لوگ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنا ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔اس سے بندوں کا تعلق حق تعالیٰ سے بہت ہی ضعیف ہو جاتا ہے۔ ایک اور بہت بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر وظیفہ سے کام نہ ہوا تو پھر آیات الٰہیہ سے بدگمانی اور بد عقیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔یہ سب جاہل عاملوں کی بدولت ہو رہا ہے۔ان کے ہاں ہر کام کیلئے وظائف ہی کی تعلیم ہوتی ہے۔بتاتے وقت ایسے انداز سے کہتے ہیں اور ایسے اطمینان دلاتے ہیں جیسے یہ کام اسی طرح ہو جائے گا۔اگر تقدیر سے اس کے خلاف ہوا تو اس پڑھنے والے کے ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔دوسری خرابی یہ ہے کہ اکثر وظیفی تو بڑی آسانی سے بن جاتے ہیں لیکن اپنے فرائض منصبی نماز، روزہ اور زکوٰۃ اور اخلاق حسنہ کے دیگر لوازمات کی پابندی سے غافل رہتے ہیں۔یہ ایسا ہی ہے جیسے موٹر کار میں پیٹرول ڈالے بغیر اسے چلانے کی کوشش کی جائے۔

دُعا اور بَد دُعا: انسان خیر وشر کا مجموعہ ہے،اس لئے اس سے اچھائی اور برائی سرزد ہوتی رہتی ہے،البتہ خیر کا عنصر زیادہ ہے۔اس لئے اس سے بھلائی کی توقع زیادہ کی جاتی ہے۔لیکن کبھی کبھار اس سے شیطانی افعال ایسے سرزد ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کا مزاج بگڑ جاتا ہے۔ کسی بھی شخص کے بارے میں مثبت سوچ ،مزاج کو فرشتہ صفت بنا دیتی ہے اگر منفی سوچ غالب ہو جائے تو مزاج بگڑ کر زہریلا بن جاتا ہے۔یہ سب باتیں دلی کیفیات کا مظہر ہیں۔جب ہم دلی طور پر خوش ہوتے ہیں تو اچھے اعمال نکلتے ہیں اور اگر دل رنجیدہ خاطر ہو تو برے اعمال کا صدور ہوتا ہے، یہی صورت حال دُعا اور بد دُعا کی ہے۔

دُعا اور بد دُعا دِل کی آواز یا کیفیت کا دوسرا نام ہے۔لیکن بعض اوقات دلی کیفیت کا اظہار زبان سے بھی ہوتا ہے جسے زبانی دُعا یا بد دُعا کہہ سکتے ہیں۔زبان سے الفاظ کی شکل میں نکلنے والے الفاظ،دُعا یا بد دُعا کا اتنا درجہ نہیں رکھتے لیکن اس کا اثر بھی دوسرے کے قلب پر گھاؤ کی طرح گہرا ہو سکتا ہے۔چھری دل پر لگے یا جسم کے کسی حصے پر تکلیف تو ہوتی ہے۔البتہ دل پر چھری کا

گھاؤ جان لیوا ثابت ہوتا ہے، جسم کے دیگر حصوں کے زخم کا مندمل ہو جانا ممکنات میں سے ہے۔

اگر ہم نے کسی کے ساتھ بھلائی اور نیکی کی، اس کی ضرورت پوری یا ضرورت پوری کرنے کی تگ و دو کی یا کسی بھی کام میں اس کی مدد و معاونت کی تو دوسرے آدمی کی دلی کیفیت بدل جاتی ہے، وہ قلبی طور پر خوش و خرم ہوتا ہے اور یہی قلبی کیفیت کا بدلنا ہی دُعا ہے۔ اگر وہ زبان سے کلامِ خیر یا دُعائیہ کلمات نہ بھی کہے تو یہ دُعا کے زمرے میں آتا ہے۔ یہ دلی کیفیت فوراً آسمان کی طرف سفر کر کے خیر کا سبب بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مقبول بندوں میں لکھ لیا جاتا ہے اور یہی دراصل دُعا ہے۔ یہ ہے دُعا لینے کا مفہوم۔ دعا دینے اور لینے میں تھوڑا سا فرق ہے، بیٹا باپ سے بار بار کہے: ابا جان! میرے حق میں دُعا کیجئے تو باپ جواباً دُعا پڑھ دے گا یا ہونٹ ہلا دے گا۔ اس کو دُعا دینا کہہ سکتے ہیں لیکن اس میں اتنی تاثیر نہ ہوگی جتنی دُعا لینے میں ہوتی ہے۔ اگر بیٹا باپ کی خدمت کرتا ہے، تو باپ ایسے موقع پر خوش ہوگا تو کہنے کی ضرورت نہ پڑے گی کہ ابا جی! میرے حق میں دُعا کیجئے۔ بلکہ بغیر کہے دِل سے دُعا نکلے گی۔ اسے کہتے ہیں دُعا لینا، کیونکہ خدمت میں دلی کیفیت بدل جاتی ہے اور دل کی گہرائی سے دُعا نکلتی ہے اور فوری اثر رکھتی ہے۔

لہٰذا خالی زبان سے نکلنے والے الفاظ دُعا یا بد دُعا نہیں ہوتے، کسی کو کہہ کے دُعا منگوانا اتنی اہمیت نہیں رکھتی جتنی دُعا لینا۔

اگر خدانخواستہ ہم نے کسی سے زیادتی کی یا اسے برا بھلا کہہ دیا تو اس کی دل کی حالت بدل گئی وہ پریشان ہوگیا، بلا شبہ اس نے منہ سے بد دعا کے کلمات ادا نہیں کیے۔ بس دلی کیفیت کے بدلنے پر قدرت کے فیصلے ہوتے ہیں۔ مخلوقِ خدا اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، ان کو خوش کرنا، دُعا لینا ہے انہیں ناخوش کرنا اور رکھنا بد دُعا لینے کے مترادف ہے۔ پس مخلوقِ خدا کی خدمت دلی کیفیت بدل کر دُعا بن جاتی ہے اور اسے اذیت دینا بد دُعا کا روپ دھار لیتی ہے۔

اسی حوالہ سے ایک حدیث مبارکہ ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ اپنے حجرہ مبارک میں تشریف فرما تھے، حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی تشریف رکھتی تھیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہؓ! آج مانگ جو کچھ مانگنا ہے، تجھے دیا جائے گا۔ حضرت عائشہؓ خوش بھی ہوئیں اور حیران بھی کہ آج آپ ﷺ نے خلاف معمول یہ فرمایا تو یہ سن کر آپؓ سوچ میں پڑ گئیں، کیا مانگوں! اچانک خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنے ابا جان سے مشورہ کرلوں کہ کیا مانگوں۔ سیدھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاں دوڑی دوڑی گئیں اور پورا ماجراء کہہ سنایا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ آپ نبی کریم ﷺ سے پوچھیں کہ معراج میں اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ کے درمیان جو راز و نیاز کی باتیں ہوئیں تھیں، جن کو افشاء کرنے کی اجازت نہ تھی اُن میں سے ایک بتا دیں۔ آپؓ بھاگی ہوئی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، عرض کی کہ آپ دورانِ معراج ہونے والے راز و نیاز کی گفتگو میں ایک بات بتا دیں۔ آپ ﷺ سن کر فرمانے لگے۔ عائشہ! اگر میں نے آپ سے یہ خود نہ کہا ہوتا تو میں شاید نہ بتاتا۔ بہرحال آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص دوسرے کا دِل خوش کردے تو سیدھا جنت میں جائے گا۔'' یہ سن کر حضرت عائشہ صدیقہؓ بہت خوش ہوئیں اور اپنے ابا کو یہ خوش خبری سنائی تو حضرت ابوبکرؓ سن کر بہت رنجیدہ ہوئے اور پریشانی کے عالم میں فرمایا: بیٹی! آپ نے اسے خوش خبری سمجھا ہے! لیکن یہ تو اس بات کا ایک پہلو ہے، اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا دِل دکھائے گا تو سیدھا جہنم میں جائے گا۔ اس دوسرے پہلو نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو رُلا دیا۔

دیکھا جائے جائے ہم روزمرہ زندگی میں یا تو کسی کا دِل خوش کرتے ہیں اچھے بول بول کر، اس کی خدمت کر کے یا پھر اسے پریشان کرتے ہیں اس کا دِل دکھاتے ہیں، بس یہی دُعا اور بددعا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے خصائل حمیدہ

(حضرت قاضی عیاض اندلسیؒ مترجم: مولانا عبدالحکیم اختر)

مال کی کثرت: دولت مند عوام النّاس کی نظروں میں معظّم و محترم مانا جاتا ہے کیونکہ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ اپنی اکثر حاجتیں اپنے وسائل سے پوری کر لیتا ہے۔ اگر یہ برتری حاصل نہ ہوتی تو فی حدّ ذاتہٖ اُسے کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ لیکن مالدار آدمی اگر اپنے مال سے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے میں دریغ نہ کرے اور جو ضرورت منداس کے پاس آئیں یا اس سے اپنی توقعات وابستہ کریں اور وہ مال کے ذریعے ان کی توقعات پر پُورا اُترے اور ضروریات پوری کرے تو گویا وہ لوگوں کے دِلوں میں اپنی عزت وعظمت کا بیج بو رہا ہے اور اہل دُنیا کے نزدیک یہ اُسے فضیلت حاصل ہے۔

لیکن صاحبِ استطاعت آدمی اگر مال کو طاعتِ الٰہی، احسان اور اُمورِ خیر میں صرف کرے اور ایسا کرنے سے اس کا مقصد رضائے الٰہی اور ذخیرۂ آخرت کے سوا کچھ نہ ہو، تو یہ حقیقی فضیلت ہے جو سب کے نزدیک مسلّمہ ہے۔ لیکن دولت مند اگر بخیل ہو جائے اور جہاں اسے مال خرچ کرنا چاہیے وہاں بھی خرچ نہ کرے بلکہ اسے صرف جمع کرنے کی دُھن ہی لگی رہے تو یہ کثرتِ مال حقیقت میں ایسا خطرناک عیب ہے جو اُسے سلامتی کے راستے پر نہیں رہنے دے گا بلکہ کمینگی اور رذالت کے شرمناک گڑھے میں دھکیل دے گا۔

جو لوگ کثرتِ مال کے باعث کسی کی تعریف کرتے ہیں تو وہ اس کی ذاتی فضیلت نہیں ہے بلکہ فضیلت اس وجہ سے ہے کہ مال والا اُسے برمحل اور اچھے کاموں میں صرف کرتا ہو۔

اگر مالدار آدمی اسے برمحل صرف نہ کرے یعنی جن کاموں میں اُسے مال خرچ کرنا چاہیےان پر خرچ نہ کرے تو حقیقت میں نہ وہ باعزت ہے اور نہ مالدار۔ ایسا شخص اہل دانش کے نزدیک حقیر و ذلیل ہے۔ جب ایسا شخص دولت پاس رکھنے کے باوجود اپنی حاجات و اغراض بھی پوری نہیں کرسکتا، حالانکہ وہ اس پر قادر ہے، تو وہ مالدار نہیں بلکہ صرف مال کا محافظ ہے اور حقیقت میں مالدار وہی ہے جس کے پاس خواہ تھوڑا مال ہو لیکن وہ اس کے فوائد سے مستفید ہو رہا ہو۔

حضور ﷺ کی نگاہ میں اموالِ دُنیا:

مال کے بارے میں آپ ﷺ کی عاداتِ حمیدہ آفتاب نصف النہار کی طرح واضح نظر آئیں گی کیونکہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو زمین کے خزانے اور دنیا بھر کی نعمتیں مرحمت فرمادی تھیں مالِ غنائم کو آپ ﷺ کیلئے حلال ٹھہرا دیا تھا، حالانکہ مالِ غنیمت کسی نبی کیلئے حلال نہیں تھا اور آپ کی حیاتِ طیبہ میں حجاز و یمن کے شہر، جزائر، شام اور عراق کے مُلحقہ علاقے فتح ہو گئے تھے، جہاں سے خُمس، جزیہ اور صدقہ کے ذریعے اتنا مال آپ ﷺ کی خدمت میں آتا تھا جتنا اس سے پہلے کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ علاوہ ازیں کتنے ہی بادشاہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں بیش بہا تحائف ارسال کئے تھے مگر اس میں سے آپ نے اپنی ذات کیلئے کبھی ایک درہم بھی اُٹھا کر نہیں رکھا تھا بلکہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ فرما دیتے تھے دوسروں کو اس کے ذریعے مالدار کر دیا اور مسلمانوں کی مالی حالت کو مستحکم سے مستحکم تر ہی بناتے رہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس خواہ اُحد پہاڑ کے برابر سونا آجائے اور میں اس میں ایک دینار بھی اپنے لئے رکھوں تو یہ بات مجھے اچھی نہیں لگتی، ماسوائے اس کے کہ قرض ادا کرنے کیلئے کچھ رکھا جائے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس بہت سے دینار آئے آپ ﷺ انہیں مسلمانوں میں برابر تقسیم کرتے رہے لیکن کچھ بچ گئے جو ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے پاس آپ نے رکھوا

دیئے اوراس کے باعث ساری رات آپ کونیند نہیں آئی، یہاں تک صبح ہوگئی اورآپ نے انہیں تقسیم فرما دیا اورارشاد فرمایا کہ میری بے چینی اب دُور ہوگئی ہے۔ بوقتِ وصال نفقۂ عیال کے باعث آپ ﷺ کی زرّہ ایک آدمی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

سرورِ کونین ﷺ کی ضروریات زندگی:

سرورِ کون ومکاں ﷺ نے سامان خوردونوش، لباس اور مکانات وغیرہ سے صرف اتنا حصہ اختیار فرمایا تھا جس کے بغیر چارہ نہ ہو اور اس سے زیادہ کی طرف آپ ﷺ کی طبیعت مبارک کبھی مائل نہیں ہوئی تھی۔ جومیّسر آتا، آپ وہی کپڑا پہن لیتے تھے، اکثر اوقات آپ ﷺ کا لباس عمامہ شریف کھُـردری چادر اور موٹا تہبند ہوتا تھا حالانکہ دوسرے لوگوں میں آپ ﷺ ریشم کی قبائیں تقسیم فرماتے رہتے تھے، جن کے اندر سونے کی تاریں ہوتی تھیں اور جو لوگ اس وقت بارگاہِ اقدس میں حاضر نہ ہوتے، ان کیلئے اُٹھار کھتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں نوّے ہزار درہم پیش کیے گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں ایک چٹائی پر رکھوالیا اور تقسیم فرمانے لگے، جو بھی سائل آتا آپ ﷺ اسے عنایت فرماتے اور کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے۔ جب آپ ﷺ سارے درہم تقسیم فرما چکے تو اس کے بعد ایک سائل آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ہمارے نام پر اپنی ضروریات کی چیزیں خرید لو، جب کسی طرف سے مالِ غنیمت آئے گا تو تمہارے قرضے کی ادائیگی ہم کردیں گے۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! جس کام کی استطاعت نہیں، وہ اللہ تعالیٰ نے لازم قرار نہیں دیا۔ نبی کریم ﷺ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ایک انصاری عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ خرچ کرتے جائیں، کیونکہ مالکِ ارض وسماء آپ کو مال کی کمی کا اندیشہ کبھی لاحق نہیں ہونے دے گا۔ یہ سن کر آپ ﷺ خوب مسکرائے اور چہرۂ انور سے بشاشت کے آثار جھلکنے لگے فرمایا: مجھے یہی حکم ملا ہے۔'' (ترمذی شریف)

اس اقتصار کی وجہ یہ بھی ہے کہ لباس کی زیب و زینت نہ تو قابلِ فخر ہے اور نہ ہی شرافت و جلالت کا نشان ، کیونکہ لباس کے ذریعے آرائش کرنا عورتوں کی خصوصیت ہے۔ لباس کے سلسلے میں قابلِ تعریف یہ پہلو ہے کہ کپڑا صاف ستھرا اور درمیانہ ہو، ایسا لباس ہرگز نہ پہنا جائے جو آدمی کو اپنے حلقۂ احباب میں نشانہ تمسخر بنائے یا لوگ اسے حقارت کی نگاہوں سے دیکھیں اور نہ ایسا لباس ہو جو استطاعت سے بڑھ کر محض شہرت حاصل کرنے کیلئے پہنا جائے بلکہ میانہ روی اختیار کی جائے۔ شریعتِ مطہرہ نے بھی اسی لباس کی مذمت فرمائی ہے جو تفاخر کی غرض سے پہنا جائے اور مفاخرت کی بیماری کثرتِ مال اور حبِّ جاہ سے پیدا ہوتی ہے۔

یہی حال مکانات کی عُمدگی و وسعت اور کثرتِ خدّام و آلات وغیرہ کا ہے کہ کثرتِ مال کی طرح اِن کی کثرت پر فخر کرنا بھی فضول ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ ایک شخص دُنیا و مافیہا کا بادشاہ ہو، اُس پر تسلط و تصرف رکھتا ہو، اس کے باوجود زُہد و قناعت اختیار کرے، مال کو اپنے پاس رکھنے سے نفرت کرے اور اسی وجہ سے اپنی ضروریات میں خرچ کرنا ترک کردے۔ یہ مال کے سلسلے میں ایسی مقدّس عادت ہے جو سب کے نزدیک باعثِ فضیلت ہے، یہ خصلتِ حمیدہ جوہر مایۂ افتخار ہے۔

چنانچہ مال و دولت سے اس طرح اِعراض کرنا اور فانی ہونے کے باعث اس کی جانب رغبت نہ رکھنا بلکہ دوسرے لوگوں پر اسے خرچ کرنا، یہ قابلِ ستائش و لائقِ تحسین عادتِ مبارکہ انسانی کمال کی معراج ہے۔

شریعتِ مطہرہ نے ایسے تمام اشخاص کی تعریف کی ہے اور ایسی عادات کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور جو سارے اوصافِ حسنہ سے متصف ہوں، ان کیلئے دائمی سعادت کا مژدہ سنایا ہے بلکہ بعض نیک عادتوں کو تو اجزائے نبوت ٹھہرایا ہے جنہیں حسنِ اخلاق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور وہ نام ہے نفس کے قویٰ و اوصاف میں اعتدال اور میانہ روی کا۔

پیغمبر خدا کی تعلیمات

(مولانا وحیدالدین خان)

اللہ کا دین ایک دین ہے۔تمام پیغمبروں کے ذریعہ ایک ہی دین ہمیشہ بھیجا جاتا رہا ہے۔ مگر انسان نے اپنی غفلت کی وجہ سے یا تو اس کو ضائع کردیا یا اس کو بدل ڈالا۔پیغمبر اسلام ﷺ کے اسی الٰہی دین کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔اور اس کو اس کی اصلی شکل میں پیش کر کے ہمیشہ کیلئے کتابی صورت میں محفوظ کر دیا گیا۔اب تمام انسانوں کیلئے قیامت تک یہی مستند دین ہے۔اللہ تعالیٰ کی قربت اور آخرت کی نجات حاصل کرنے کا اس کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کسی بھی اعتبار سے کوئی شریک نہیں۔ اسی نے تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور اسی کو ہر قسم کی طاقتیں قدرتیں حاصل ہیں۔انسان کو چاہیے کہ صرف اسی کے آگے جھکے اور اسی کی عبادت کرے۔اسی سے مانگے اور اسی سے اُمیدیں قائم کرے۔اللہ تعالیٰ اگرچہ بظاہر دکھائی نہیں دیتا مگر وہ انسان سے اتنا قریب ہے کہ جب بھی آدمی اس کو پکارتا ہے وہ اس کی پکار کو سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے۔اللہ کے نزدیک کسی انسان کا یہ سب سے بڑا گناہ ہے کہ وہ کسی اعتبار سے کسی کو اللہ کا شریک یا اس کے برابر ٹھہرائے۔

کوئی انسان یا غیر انسان ایسا نہیں جس کو اللہ اور بندوں کے درمیان وسیلہ یا واسطہ کا مقام حاصل ہو۔انسان جب بھی اللہ کو یاد کرتا ہے، وہ براہِ راست اللہ سے مربوط ہو جاتا ہے۔ انسان کو اپنے خالق و مالک سے جڑنے کیلئے کسی درمیانی وسیلہ کی ضرورت نہیں۔اسی طرح آخرت میں بھی کوئی اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کسی کا سفارشی نہیں بن سکتا۔اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کا فیصلہ خود اپنے علم کے مطابق فرمائے گا۔کوئی نہیں جو اس کے فیصلہ پر اثر انداز ہو سکے۔اللہ پاک اپنے

فیصلہ کرنے میں کسی کا پابند نہیں۔اس کے تمام فیصلے حکمت اور انصاف کی بنیاد پر ہوتے ہیں، نہ کہ سفارش یا تقرب کی بنیاد پر۔

خدا کی عبادت کوئی عملیاتی ضمیمہ نہیں ہے۔یہ پوری زندگی کے ساتھ اللہ کے آگے جھک جانا ہے۔اللہ کی عبادت کرنے والا وہی ہے جو اس کا عابد اس طرح بنے کہ خدا اس کا سب کچھ ہوجائے۔وہ اسی کی پرستش کرے،اسی سے ڈرے،اسی کو چاہے،اسی سے اُمید باندھے،وہ اس کو اپنی تمام توجہات اور سرگرمیوں کا مرکز بنالے۔اللہ کی عبادت و بندگی اس کے سامنے کامل حوالگی کا نام ہے،نہ کہ محض کسی رسم کی وقتی بجاآوری کا۔

بندوں کے درمیان رہتے ہوئے آدمی کو ہر وقت یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے اور اپنے علم کے مطابق اس سے اس کی کارگزاری کا حساب لے گا۔اس لئے ضروری ہے کہ آدمی ظلم،جھوٹ،بغض،گھمنڈ،حسد،خودغرضی،بدمعاملگی،لوٹ کھسوٹ،دھاندلی اور اس قسم کی دوسری اخلاقی برائیوں سے اپنے آپ کو بچائے تاکہ اللہ کی میزان میں وہ مجرم نہ ٹھہرے۔اللہ سے ڈرنے والا،بندوں کے معاملہ میں نڈر ہوکر نہیں رہ سکتا۔جو لوگ بندوں کے ساتھ برا سلوک کریں گے ان کو اللہ سے اپنے لئے اچھے سلوک کی اُمید نہیں رکھنی چاہئے۔اللہ کے اچھے سلوک کا مستحق صرف وہ ہے جو اللہ کے ہاں اس طرح پہنچے کہ اس نے اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہو۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی زمین پر اس کے بندوں کیلئے زندگی گزارنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ پوری زندگی اور تمام معاملات میں اللہ کا فرمانبردار بن کر رہے پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی میں اس کا عملی نمونہ موجود ہے۔اب تمام انسانوں کیلئے اللہ کی پسندیدہ زندگی صرف یہ ہے کہ وہ قرآن سے اپنے لئے ہدایت حاصل کریں اور اسوۂ کامل کے مطابق زندگی گزاریں۔زندگی دو قسمیں ہیں۔ایک زندگی وہ ہے جو آخرت کی بنیاد پر مبنی ہے،دوسری زندگی وہ ہے جو دنیا کی بنیاد پر مبنی ہے۔آخرت کی بنیاد پر بننے والی زندگی میں رہنمائی کا مقام پیغمبر کو حاصل رہتا ہے

آدمی پیغمبر کے بتانے کے مطابق اپنا عقیدہ بناتا ہے اور اسی کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور اس کے برعکس جو زندگی دنیا کی بنیاد پر مبنی ہے، اس میں آدمی اپنا رہنما آپ خود ہوتا ہے اور اپنی عقل اور نفس کے مطابق اپنے فکر و عمل کا ڈھانچہ بناتا ہے۔ پہلا اگر اللہ کا پرستار ہوتا ہے تو دوسرا خود اپنا۔ پیغمبر کی رہنمائی میں جو زندگی مبنی ہے، اس کے تحت جو انسان بنتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کئے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کی زندگی کی تمام سرگرمیاں آخرت کیلئے ہوتی ہیں، اس کی عبادت، اس کی قربانیاں، اس کا جینا اور اس کا مرنا سب اللہ اور اس کے رسول کیلئے ہو جاتا ہے۔

جو زندگی خود اپنی رہنمائی میں بنے وہ آزاد زندگی ہوتی ہے، وہ اپنے خیالات کے مطابق اپنی پسند کا عقیدہ بنالیتا ہے۔ اس کے صبح و شام خود اپنی عقل یا نفس کی رہنمائی میں بسر ہوتے ہیں۔ اس کی سرگرمیاں تمام تر دنیا کے فائدوں کے گرد گھومتی ہیں۔ وہ ویسا بنتا ہے جیسا وہ خود بننا چاہتا ہے نہ کہ ویسا جو خدا اور رسول چاہتے ہیں وہ مولا مرضی کی بجائے من مرضی کی زندگی بسر کرتا ہے۔

جو لوگ کسی پچھلے پیغمبر کے نام پر کسی دین کو پکڑے ہوئے ہیں، ان کی مذہبیت یا خدا پرستی اس وقت تک معتبر نہیں جب تک وہ پیغمبر اسلام پر ایمان نہ لائیں۔ جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہ لائیں وہ اپنے اس عمل سے اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ وہ پیغمبر کے نام پر اپنی قومی روایات اور گروہی تعصّبات کو اپنا دین بنائے ہوئے ہیں۔ جو لوگ قومی مذہب کے پرستار ہوں وہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے الہامی مذہب کو نہ پائیں گے۔ وہ اپنے تعصّباتی پردہ کی وجہ سے اس سچائی کو نہ دیکھ سکیں گے، جو اللہ نے اپنے آخری پیغمبر کے ذریعہ ان کیلئے کھولی ہے۔ البتہ جو لوگ فی الواقع اللہ اور پیغمبر کے ماننے والے ہوں ان کو پیغمبر اسلام کا دین خود اپنی ہی چیز معلوم ہوگا، وہ اس کو اس طرح لیں گے جس طرح کوئی اپنی کھوئی ہوئی چیز کو دوڑ کے لے لیتا ہے۔

دِل میں کیا ہے؟

(نگہت ھاشمی)

انسان کا دِل کیا ہے؟ اس کائنات کی سب سے اہم، سب سے عجیب تخلیق جس کو کائنات کے خالق اور مالک کی پہچان کیلئے بنایا گیا۔ وہ ذات جس کو آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے، کانوں سے جس کی آواز سن نہیں سکتے، حواس سے جس کو محسوس نہیں کر سکتے، یہ دِل اس کو پہچان لیتا ہے۔ یہ دِل تو اس کی معرفت کے، اس کی حقیقت کے ادراک کیلئے بنایا گیا تھا۔

یہ دِل کبھی تو آئینے کی طرح شفاف اور چمکدار رہتا ہے اور کبھی اس کا آئینہ دھندلا جاتا ہے۔ اس کی حالت بدلتی رہتی ہے۔ جب یہ خواہشات کی محبت میں گرفتار رہتا ہے تو دھندلا جاتا ہے اور پھر پہچان بھی مدہم پڑنے لگتی ہے۔ کبھی یہ غضب کی وجہ سے حقیقت سے محروم رہ جاتا ہے، کبھی اس کے اندر حرص بیدار ہو جاتی ہے، تو حقائق بہت چھوٹے محسوس ہوتے ہیں بلکہ بالکل معدوم ہونے لگتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی اپنے دل کو خواہشات کی محبت، حرص سے غضب سے بچالیتا ہے۔ پھر یہ صاف شفاف، چمکدار اور پاک ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں اتنی وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ سارے جہانوں کی اصل حقیقت اس میں سما جاتی ہے۔

دِل بہت قیمتی شے ہے۔ اس کا معاملہ بہت نازک ہے۔ اسی وجہ سے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ جب دِل اللہ کی پہچان، اُس کی معرفت، اس کے تعلق کیلئے بنایا گیا تھا تو یہ مختلف اور متضاد کام کیوں کرتا ہے؟ اس دل میں ایسا کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ ہر لمحے بدلتا رہتا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ یہ اپنے اندر چار طرح کے اوصاف رکھتا ہے:

1- سبعی خصوصیات ۔(یہ درندوں جیسی خصوصیات ہیں)

2- بہیمی خصوصیات ۔(یہ چوپائیوں جیسی خصوصیات ہیں)

3- شیطانی خصوصیات ۔یہ شیطان جیسی خصوصیات ہیں۔

4-ربانی خصوصیات ۔ یہ فرشتوں جیسی خصوصیات ہیں۔

چار طرح کے اوصاف کسی بھی قلب کے اندر پیدا ہو سکتے ہیں۔دل تو یہ چاہتا ہے،خود ہی سے سب کچھ ہو جائے ، کچھ بھی کرنا نہ پڑے لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔یہیں پر اختیار کو استعمال کرنا ہے اور جب تک ایک انسان کو یہ پتہ نہ ہو کہ یہ خصوصیات کیسے پیدا ہوتی ہیں۔

انسان کے اندر کی دنیا میں تبدیلی پہلے آتی ہے باہر اس کے آثار بعد میں نظر آتے ہیں۔ انسان میں آنے والی ہر خصوصیت خواہ وہ درندوں جیسی ہو، چوپاؤں جیسی ، شیطانوں جیسی یا فرشتوں جیسی ،اس کا تعلق انسان کے باطن سے ہوتا ہے ۔اگر ہم یہ دیکھنا چاہیں کہ انسان کیا ہے تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اس کے دِل میں کیا ہے؟ دل میں خیالات ہیں،دل میں افکار ہیں،دل میں کچھ نیتیں ہیں، کچھ ارادے ہیں۔اگر یہ سب خیالات ، افکار نیتیں،اور ارادے اچھے ہوں تو اچھا اَخلاق بنتا ہے اور اگر برے ہوں تو برا اَخلاق بنتا ہے۔اَخلاق کے میدان میں جو چیز انسان کی مدد کرتی ہے؟ وہ حسنِ نیت اور حسنِ ارادہ ہے۔اگر حسنِ ارادہ ہوگا پھر اگلے کام ہو نگے ،لیکن آپ فرض کریں ایک انسان ارادہ کرتا ہے کہ اس سال میں نے حج کرنا ہے۔اب ارادہ تو کر لیا لیکن اس ارادے کی تکمیل کیلئے جو کام کرنے مطلوب ہیں وہ کام نہیں کئے ،مثلاً زادِراہ جمع نہیں کیا،پھر اپنے علاقے سے دوسرے علاقے تک پہنچنے کیلئے کوئی کوشش بھی نہیں کی ۔اور ایک انسان یہ توقع رکھتا ہے کہ میں براہِ راست اللہ کے گھر پہنچ جاؤں ، ناممکن ہے۔کیونکہ ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے انسان کو کوشش کرنی پڑتی ہے۔بہر حال یہ بات طے شدہ ہے کہ انسان نیت کرلے، ارادہ کرلے، پھر اس کیلئے سوچ بچار میں پڑ جاتا ہے،اس کو کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ مصروفِ عمل ضرور ہو جاتا ہے۔اس کی ممکنات دیکھتا ہے کہ اس کیلئے اسباب اور ذرائع کیسے فراہم کیے جاسکتے ہیں،

پھر دُعائیں بھی کرتا اور اس فکر میں لگا ہی رہتا ہے۔

یہ فکر جب انسان کو لاحق ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے وہ مسلسل ایک اضطراب، ایک تکلیف میں مبتلا رہتا ہے، احساس تو اسی چیز کا نام ہے۔ یہ شدت کا احساس شدت کی تمنا بن جاتی ہے اگر ایک انسان کے اندر یہ process پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے تو جس چیز کا انسان کو شدید احساس ہوتا ہے، وہ اس کی زندگی میں پہلی ترجیح پہ آجاتی ہے۔ پھر انسان ہر طرف سے کٹ کر اس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔

اَخلاق کے میدان میں یہ بات ذہن میں رکھیے گا کہ اپنے آپ کو برائیوں سے بچانا ہے، غلطیوں سے بچانا ہے تو جس غلطی کا ادراک ہو گیا، پتہ لگ گیا کہ غلطی میرے اندر موجود ہے، پھر وہ فقط ایک کوندے کی طرح لپک جانے والا خیال بن کر نہ رہ جائے بلکہ اندر چپک جائے، اس طرح کہ اس کا تذکرہ ہو، اس کے بارے میں فکر مند ہو جائیں۔ اتنا غور و فکر کریں، اتنا علم حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس کیلئے جو بھی ممکنہ ذرائع ہوں وہ اختیار کریں جس کی وجہ سے یہ غور و فکر احساس بن کر تڑپ بن کر زندگی کی پہلی ترجیح پہ آجائے کہ یہی کرنے والا کام ہے۔ اگر احساس انسان کے اندر سے مٹتا نہیں ہے تو اس کیلئے یہی ایک احساس زندگی میں کردار ادا کرنے کیلئے کافی ہو جاتا ہے۔ ایک احساس انسان کو آگے بڑھاتا ہے، Push کرتا ہے۔ یہ صرف Motivational Force نہیں ہے بلکہ یہ Push کرنے والی قوت ہے۔

آپ یوں سمجھ لیں اس کی اہمیت زندگی میں ایسے ہی ہے جیسے آپ کی گاڑی Fuel یا ڈیزل کے بغیر ہو تو چل نہیں سکتی حالانکہ سارے ہی Parts بالکل اپنی جگہ پر ہیں، گاڑی فٹ ہے۔ اگر آپ کی گاڑی میں ایندھن موجود ہے تو یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے آپ کے قلب کے اندر ایک خیال موجود ہے۔ ایندھن موجود بھی ہو لیکن آپ گاڑی اسٹارٹ نہ کریں تو بھی گاڑی نہیں چلے گی۔ آپ Start کرتے ہیں تو یہ غور و فکر کا سلسلہ ہے جو شروع ہو گیا۔ ایندھن کی وجہ سے گاڑی پش ہو رہی ہے، اسے کوئی بیرونی قوت نہیں دھکیل رہی، اندر ایک آگ جل پڑی ہے

جس کی وجہ سے اب گاڑی چلے گی، بالکل ایسے ہی یہ احساس انسان کو چلاتا ہے۔

انسان کے اندر جو روح ہے وہ ربّ نے اپنی طرف سے پھونکی ہے۔روح کی موجودگی کی وجہ سے بھی انسان کے اندر کچھ خصوصیات پیدا ہوتی ہیں۔جو چیز ربّ کی طرف سے ہے چونکہ ربّ اعلیٰ ہے، برتر ہے، کبریائی اسی کی ذات کیلئے ہے جبکہ انسان کو دیکھیں کہ اس کی روح کی وجہ سے اس کے اندر اپنی ذات کی بڑائی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔یہ جو خود پسندی، انفرادیت پسندی اور منفرد رہنے کا شوق ہے، یہ بنیادی طور پر اسی رُوح کی وجہ سے ہے۔منفرد رہنے کا شوق اپنی ذات کی بڑائی کا احساس ہے، یعنی اَنا پرستی اور اگر دیکھیں تو انسان اس کے مقابلے میں عبودیت، تواضع یعنی جھکاؤ، انکساری یعنی بچھ کے رہنے اور محکومیت کو ناپسند کرتا ہے۔

انسان اپنے قوتِ غضب اور قوتِ شہوت میں کہیں درندوں کے ساتھ جا ملتا ہے، کہیں چوپایوں کے ساتھ لیکن باوجود اس اشتراک کے یہ بات ذہن میں رکھیے کہ انسان کے پاس قوتِ تمیز ہے۔انسان اچھے برے کی تمیز رکھتا ہے۔اللہ ربُّ العزت نے ارشاد فرمایا:

''پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کر دی۔''(سورۃ الشمس:8)

کسی درندے، کسی جانور پر اللہ تعالیٰ نے اس کی اچھائی اور برائی الہام نہیں کی، صرف انسان پر اس کی حقیقت واضح کر رکھی ہے۔اس لحاظ سے اگر دیکھیں تو ایک انسان کے اندر جو قوتِ تمیز ہے، وہ انسان کو ربّانی احکامات کی پابندی کرنے اور انسانی دائرے کے اندر رہنے کیلئے اُکساتی ہے۔قوتِ تمیز اُکساتی ہے کہ کیا اچھا ہے، کیا بُرا؟ کیا خیر ہے کیا شر؟ قوتِ تمیز انسان کو درندوں اور چوپایوں سے اوپر لے جاتی ہے! کہ دوسروں کا حق نہیں مارنا، کسی پر ظلم نہیں کرنا، اگر کوئی کھانے کی چیز ہے تو اپنے آگے سے کھانا ہے اور یہ کہ انتہا تک نہیں کھانا، رُک جانا ہے، کچھ بھوک رکھ کر کھانا ہے دوسروں کی ضروریات کا خیال رکھنا ہے۔

ایک خصوصیت انسان کے اندر شیطانیت کی بھی ہے۔شیطانی خصوصیات سرتاپا شر ہیں

شر کو ہم مجسم صورت میں دیکھنا چاہیں تو شیطان کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں اور شیطان کے اندر قوتِ تمیز موجود ہے۔ایسی بات نہیں ہے کہ اسے بھلائی برائی کا پتہ نہیں، تمیز ہے لیکن اس تمیز کو وہ ہمیشہ شر کیلئے استعمال کرتا ہے یعنی پہچان کر، شعور رکھ کر جان بوجھ کر برائی کو اختیار کرتا ہے۔ شیطان اپنے مقاصد کی تکمیل کیلئے، برائی کیلئے مکر اور فریب کا سہارا لیتا ہے، دھوکے کا جال بنتا ہے۔جانتے ہیں مکر کسے کہتے ہیں؟ خفیہ تدبیر کو۔مکر کی وجہ سے شیطان کس طرح اپنے اس شر کا جال پھیلاتا ہے! جہاں بھی شیطان کا تذکرہ آتا ہے، ذہن میں جال سا بن جاتا ہے جیسے مکڑی کا جال ہوتا ہے لیکن ایک مکھی کیلئے، ایک مچھر کیلئے وہ جال موت کا پیغام بن جاتا ہے، وہ جال سے نکل نہیں پاتے۔اسی طرح شیطان انسان کے گرد خیال کا تانا بانا بنتا ہے، وسوسوں کا جال بنتا ہے اور انسان کو لگتا ہے کہ یہی سچ ہے کیونکہ ہر طرف وہی بات نظر آتی ہے، ہر طرف سے وہ پھنس گیا۔ شیطان پھر نکلنے نہیں دیتا، اپنے جال میں پھانستا ہے اپنے کام کو پورا کرنے کیلئے مکروفریب کا سہارا لیتا ہے اور جہاں عین نیکی کی خواہش بیدار ہو رہی ہوتی ہے اور انسان نیکی کرنا چاہتا ہے، اس جگہ پر وہ شر کا بیج بو دیتا ہے۔شیطان مکروفریب کے جال کے ذریعے سے خیر کے مقام پر شر کا بیج بو دیتا ہے۔انسانوں میں سے بھی کچھ لوگ شیطان کے ایجنٹ بن جاتے ہیں۔انسانوں میں سے ہی کچھ لوگ جو شیطان کی خدمت سرانجام دے رہے ہوتے ہیں، ان کو کیا کہیں؟

ایک انسان جب زندگی کے مقصد کا شعور نہیں رکھتا تو یہ بے شعوری کی حالت ہے، جہالت کی حالت ہے۔وہ جو قلب کی سرزمین کے اندر ربو دی گئی ہے اور ہر طرف وہ جہالت ہی اُگی ہوئی ہے۔یہ سرزمین شیطان کیلئے بہت سازگار ہے۔شیطان اس میں شر بوتا چلا جاتا ہے۔

فَقْر

(عالم فقری)

اللہ کی عبادت کیلئے دنیا کے کام کاج سے محدود ہو کر اپنی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے صرف اللہ تعالیٰ سے وسائل مانگنا فقر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو ماننے کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ اہلِ فقر کی شان بہت بلند ہے، یہ اللہ کے خاص الخاص بندے ہوتے ہیں، جنہوں نے اپنی زندگی کی ہر چیز اللہ کے سپرد کی ہوتی ہے اور صحیح معنوں میں اللہ کو اپنی گزر اوقات کا کارساز بنایا ہوتا ہے، بظاہر ان کے پاس زندگی کا ساز و سامان ہو یا نہ ہو انہیں کوئی احساس نہیں ہوتا بلکہ انہوں نے اللہ ہی کیلئے دنیا کی تمام پرکشش چیزوں سے کنارہ کیا ہوتا ہے۔ اگر ان کے پاس دنیا کا مال و متاع ہو تو پھر بھی انہیں امیر ہونے کا احساس نہیں ہوتا اور نہ ہی مال و دولت کے نہ ہونے سے کوئی محرومی محسوس ہوتی ہے کیونکہ اللہ کے ایسے بندوں کی نظر میں دنیا کے مال کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں کیونکہ انہوں نے ہمیشہ کیلئے رضائے الٰہی کا دامن تھاما ہوتا ہے اور جو رضائے الٰہی پر چلتا ہو، اسے کسی چیز کی کمی نہیں ہوتی۔

اھلِ فقر نے اپنے دل کو دنیاوی خواہشات سے خالی کیا ہوتا ہے۔ ان کا باطن دنیا کے حصول اور اغراض سے محفوظ ہوتا ہے اور ان کا نفس آفاتِ شر سے بچا ہوتا ہے، انہوں نے اللہ کے احکام کو مکمل طور پر اپنے اوپر وارد کیا ہوتا ہے، ان کا ظاہر اور باطن یکساں ہوتا ہے، جو ان کے دل میں ہوتا، وہی ان کی زبان پر ہوتا ہے۔ ان پر ہر دم اطاعت الٰہی کا غلبہ رہتا ہے، ان پر عشق الٰہی اس حد تک غالب ہوتا ہے کہ ان کے مقصد میں دنیا کی کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی، ان کے بشری تقاضے کافی حد تک محدود ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کی صرف ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ

ہر دم دربارِ الٰہی میں محو رہیں۔دنیا کی کوئی چیز انہیں غافل نہ کرے،اس لئے وہ اللہ کے بھروسے پر دنیا سے خالی ہاتھ ہوجاتے ہیں۔آخر یہی فقر انہیں مقامِ وصل میں لے جاتا ہے اور دریائے معرفت میں غوطہ زن ہوکر ہمیشہ کیلئے جاوداں ہوجاتے ہیں۔

عموماً بھیک مانگنے والوں کو فقیر کہتے ہیں،وہ فقیر نہیں ہوتے بلکہ وہ تو دنیا کے گداگر ہیں فقیر سب سے اعلیٰ لوگ ہوتے ہیں جبکہ گداگر معاشرے کے اچھے لوگوں میں شمار نہیں ہوتے۔ کیونکہ انہوں نے اللہ سے توقع ہٹا کر دنیا کی طرف لگائی ہوتی ہے،تبھی تو وہ جابجا گدائی کرتے پھرتے ہیں اور لوگوں سے طرح طرح کی باتیں سنتے ہیں۔کوئی عطاء کردیتا ہے،کوئی دھتکار دیتا ہے۔اس لئے دنیا کی گدائی ہر لحاظ سے قابلِ مذمت ہے کیونکہ اس میں ذات کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے برعکس اللہ کا فقیر بننا باعثِ عزت ہے کیونکہ فقر تاجِ شاہی ہے جو اللہ سے ملتا ہے۔جسے وہ مل جائے،اسے اور کیا چاہیے۔فقر کا تاج اللہ تعالیٰ صرف انہیں عطاء فرماتا ہے جو اس کے طالب بنتے ہیں اور اسکے اہل ہوتے ہیں لہٰذا اہلِ فقر کا فرض ہے کہ اللہ کی عطاء کردہ عزت کی حفاظت کریں۔لہٰذا اپنے ظاہر اور باطن کو لغزشوں سے بچانے کیلئے اللہ سے توفیق مانگیں اور ہمیشہ اس کوشش میں رہیں کہ جسم کا کوئی حصہ معصیت اور گناہ میں مبتلا نہ ہو،تاکہ قلبی کیفیت میں خلل اور آفت رونما نہ ہو کیونکہ اللہ نے اہلِ فقر کے ظاہر کو ظاہری نعمتوں سے مالا مال کیا ہوتا ہے اور باطن،باطنی نعمتوں سے بھرپور ہوتا ہے وہ خلقت سے بے نیاز ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ سے مانگنے کی بدولت ہر لحاظ سے غنی ہوتے ہیں اس لئے اللہ کے فقیروں کو دنیا کے گداگر نہیں سمجھنا چاہیے۔

پس اللہ کی معرفت کے طالب کو چاہیے کہ وہ فقر کو اختیار کرے کیونکہ فقر کو پالینا ہی اصل ولایت ہے۔فقر حضورﷺ کا ذاتی طریقہ ہے،آپﷺ نے دولت کی کثرت کو ترک کیا اور جو اللہ کی جانب سے مل گیا اسی پر قناعت کرکے گزارہ کیا،لہٰذا اللہ کا بندہ بننے کیلئے بھی یہی واحد طریقہ ہے کہ اس سے جو مل جائے اسی کو مقدر سمجھ لیا جائے اور کثرت کی خواہش دل سے نکال دی جائے

پھر تو منزل بہت جلد ملے گی ورنہ طالب کسی نہ کسی مقام پر رُک جائے گا اور اللہ کی معرفت تک پہنچ نہیں پائے گا۔لہٰذا اے اللہ کے طالب! تجھے چاہئے کہ جب تو راہِ معرفت میں قدم رکھے تو پہلے روز ہی فقر پر گامزن ہو جا۔تا کہ حجاباتِ معرفت بہت جلد اُٹھ جائیں اور تو دین و دنیا میں کامران ہو جائے۔

فضیلتِ فقر:

فقر کی بے پناہ فضیلت ہے،اس بارے میں حضور ﷺ کے ارشادات حسب ذیل ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''فقیر لوگ جنت میں امیروں سے پانچ سو برس پہلے داخل ہونگے، جو کہ نصف دن ہے''۔

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' مجھے اپنے ضعیفوں میں تلاش کیا کرو کیونکہ تم اپنے ضعیفوں کے سبب روزی دیے جاتے ہو۔''(بخاری)

سات باتوں پر عمل کا حکم:

حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا کہ میرے خلیل آقا ﷺ نے ''مجھے سات باتوں کا حکم فرمایا: مجھے مسکینوں سے محبت کرنے اور ان کے قریب رہنے کا حکم فرمایا۔فرمایا کہ اپنے سے کم حیثیت والے کی طرف دیکھوں اور اپنے سے زیادہ حیثیت والے کی طرف نہ دیکھوں۔صلہ رحمی کروں اگر چہ وہ پیٹھ دکھائیں۔حکم فرمایا کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں ، سچی بات کہوں،اگر چہ کڑوی ہو۔ اللہ کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کثرت سے کہا کروں،کیونکہ یہ کلمات عرش کے نیچے والے خزانے سے ہیں''۔(مسند احمد)

حضور ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے جس کے پاس مال و منالِ دنیا سے کچھ نہیں تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس کا نور تمام دنیا والوں میں تقسیم کیا جائے تو پورا ہو جائے گا''

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بوسیدہ کپڑوں کی وجہ سے

کسی کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ اس کا اور تمہارا ربّ ایک ہے۔''

اقوالِ فقر:

حضرت مزینؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی طرف جانے کے طریقے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ تھے مگر طریقِ فقر کے سوا کوئی اور طریقہ باقی نہ رہا اور یہی صحیح ترین طریقہ ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذؒ کی موجودگی میں فقر اور غنٰی کا ذکر چھڑا تو فرمایا کہ قیامت کے دن نہ فقر کا وزن ہوگا نہ غنٰی کا، صرف صبر و شکر کا وزن ہوگا اور کہا جائے گا کہ اس شخص نے شکر اور صبر کیا۔''

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے فقر مانگا تو مالداری نے ہمارا استقبال کیا، لوگوں نے مالداری مانگی تو فقر نے ان کا استقبال کیا۔''

حضرت ابن الکریبیؒ کا قول ہے کہ سچا فقیر مالداری سے پرہیز کرتا ہے اور اس ڈر سے کہ کہیں مالداری داخل ہو کر اس کے فقر کو خراب نہ کر دے۔

حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا قول ہے کہ نزولِ رحمت کے وقت تین ہیں:

اوّل: سماع کے وقت صاحبِ حال اصحاب پر نزولِ رحمت ہوتا ہے۔

دوم: فقراء کے ذکر و تذکرے کا وقت بھی نزولِ رحمت کا وقت ہے۔

سوم: اہلِ عشق پر انوارِ تجلی کے وارد ہونے کے وقت بھی نزولِ رحمت ہوتا ہے۔

حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ ''بندے پر اللہ کی ناراضگی کی علامت یہ ہے کہ بندہ فقر سے ڈرتا ہو۔''

احساس برتری اور احساسِ کمتری

(محمد مبشر نذیر)

بعض انسان کم ظرف ہوتے ہیں، جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ اس پر اس کا شکرادا کرنے کی بجائے اسے اپنی کاوشوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔اپنی کامیابیوں کے زُعم میں وہ خود کو دوسروں سے بہتر سمجھنے لگتے ہیں۔ دوسروں کو حقیر سمجھنا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرنا، ان کی عادت بن جاتی ہے۔ہمیں اپنے گردوپیش ایسے بہت سے کردار ملیں گے۔ غرور وتکبر کی بڑی وجوہات میں مال و دولت، اعلیٰ عہدہ، حسب ونسب اور سب سے بڑھ کر علم اور دین داری شامل ہیں۔

جدید شہری معاشروں میں اب حسب ونسب کا غرور نسبتاً کم ہوگیا ہے لیکن دیہاتی معاشروں میں اس کی وجہ سے امتیازی سلوک آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ مال اور عہدے کا غرور آج بھی اسی طرح قائم ہے۔علم اور دین داری کا غرور وہ ہے جس کا شکار سب سے زیادہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو دین کی طرف مائل ہوتے ہیں۔بعض کم ظرف اہل علم خود کو دوسروں سے زیادہ بہتر سمجھ کر انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہر بات میں "جاہل" کا لفظ بڑی نفرت اور حقارت سے ادا کرتے ہیں۔

بعض لوگ اپنی عبادت کے زُعم میں ساری دنیا کو گناہ گار سمجھتے ہیں اور ڈنڈا لے کر سب کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور انہیں کافر، مشرک، بدعتی، بے عمل، گستاخ نجانے کیا کیا قرار دیتے رہتے ہیں۔ دین اسلام ایسے تمام روّیوں کو سختی سے مسترد کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا:

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (سورہ النحل آیت:23)

''بے شک اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

جولوگ زمین پر اکڑ کر چلتے ہیں، ان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولاً

ترجمہ: ''زمین پر اکڑ کر نہ چلو، بے شک تم نہ تو زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی پہاڑوں جتنے بلند ہو سکتے ہو۔'' (سورہ بنی اسرائیل: آیت:37)

احساس برتری یا غرور وتکبر کے برعکس بعض افراد احساس کمتری کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ عموماً وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں کسی بڑی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ ایسے والدین، جو اپنے بچوں کو بہت زیادہ دباؤ میں رکھتے ہیں، کے بچوں میں بالعموم احساس کمتری بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس مرض کے شکار لوگوں میں عموماً قوت ارادی اور قوت فیصلہ کی کمی ہوتی ہے۔

احساس برتری ہو یا احساس کمتری، یہ دونوں امراض کسی بھی انسان کی شخصیت پر بہت برا اثر چھوڑتے ہیں۔ ایک متکبر شخص معاشرے میں اپنی عزت اور مقام کھو بیٹھتا ہے۔ اگر کوئی اس کی عزت کرتا بھی ہے تو صرف اس کے سامنے، اس کی عدم موجودگی میں عام طور پر لوگ اس کا مذاق اُڑاتے ہیں یا پھر اس کی برائیاں کرتے ہیں۔ اسی طرح احساس کمتری کا شکار انسان بھی دوسروں سے ملنے جلنے سے گھبراتا ہے اور اپنے ہی خول میں بند ہو کر رہ جاتا ہے۔

دین اسلام ہمیں غرور وتکبر کے مقابلے میں عجز وانکساری اور احساس کمتری کے مقابلے میں عزت نفس کا تصور دیتا ہے۔ عجز وانکسار کا مطلب احساس کمتری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی کم حیثیتی کا اعتراف کرنا ہے۔ ایک عاجز انسان اپنی ہر کامیابی کو اپنی صلاحیتوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اپنے ربّ کا فضل سمجھتا ہے اور اسکے سامنے سر بسجود ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کو وہی مقام دیتا ہے جو خود اسے حاصل ہے۔

دین اسلام ہمیں ایک دوسرے کی عزت کرنے کا حکم دیتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ایک انسان کی عزت کو حرم کعبہ کی طرح محترم بتایا ہے۔احساس کمتری کے شکار انسان کو سوچنا چاہیئے کہ اگر اسے ایک مرتبہ ناکامی کا سامنا کرنا بھی پڑا ہے لیکن زندگی میں اسے بارہا کامیابیاں بھی ملی ہیں۔یہ جو دنیا میں وہ چل پھر رہا ہے، یہ اللہ تعالٰی کا اس پر فضل ہی تو ہے۔شیخ سعدیؒ نے کیا خوب درس دیا ہے کہ جس کے پاس جوتے نہ ہوں، وہ جوتے پہننے والوں کو نہ دیکھے بلکہ اسے دیکھے جس کے پاس پاؤں ہی نہیں ہیں۔

احساس برتری کا علاج تو اس میں مبتلا شخص اگر خود چاہے تو کرسکتا ہے لیکن احساس کمتری کے شکار افراد کا علاج اس کے دوست اور رشتے دار بھی کرسکتے ہیں۔اگر آپ کے نزدیک کوئی ایسا دوست یا رشتہ دار ہے جو اس احساس کا شکار ہے تو اسے حوصلہ دلایئے اور اس میں جینے کی اُمنگ پیدا کیجئے۔آپ کی یہ نیکی کبھی ضائع نہیں جائے گی اور ایک انسان کی زندگی سنور جائے گی۔اس بات کا خیال رہے کہ یہ علاج نہایت محبت اور شفقت سے ہونا چاہیے، طعن و تشنیع کے انداز سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہیئے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللّٰہ علیہ

(خواجہ عابد نظامی)

گیارھویں صدی ہجری کے ابتدائی دو عشرے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کیلئے انتہائی ابتلاء و آزمائش کا پیغام لے کر آئے ۔ یہی وہ دور تھا جب متحدہ ہندوستان میں شہنشاہ اکبر نے اپنے خود ساختہ دین الٰہی کو متحدہ ہندوستان میں فروغ دینے کا بیڑہ اٹھایا اور دنیا دار علماء اور جاہ پرست صوفیوں کو ساتھ ملا کر شریعت محمدیﷺ کے خلاف وہ طوفان اٹھایا کہ اہل ایمان الحفیظ و الامان پکار اٹھے ۔شہنشاہ نے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے بجائے لا الٰہ الا اللّٰہ اکبر خلیفۃ اللّٰہ کا کلمہ پڑھوانا شروع کر دیا۔خود ساختہ ''دین الٰہی'' کی تائید و حمایت کرنے والے علمائے سوء اور ہندو پنڈتوں کو اعلیٰ مناصب اور انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ یہ بد بخت لوگ اسلامی عقائد پر اعتراضات کرتے اور اپنی تصنیفات و تالیفات پر شہنشاہ کی عظمت کا ڈھنڈورا پیٹتے ۔حد یہ کہ مولوی جمعہ کے خطبہ میں سرکار دو عالمﷺ کے اسم گرامی کے بجائے اکبر کا نام پڑھتے اور اسی کے نام کا خطبہ دیتے ۔سجدہ جسے اسلام نے صرف اور صرف خدائے واحد کے لیے مخصوص کیا ہے، اکبر نے اسے اپنے لیے لازم قرار دیا۔ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے گائے کی قربانی ممنوع قرار دی گئی اور ان پر جزیہ کی پابندی اٹھالی گئی ۔اسلامی تقویم کے بدلے اکبری ماہ و سال رائج کیے گئے ۔نماز، روزہ اور حج کو غیر ضروری لوازمات بتایا گیا اور دین اسلام کے بارے میں یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ ایک ہزار سال کے بعد اپنی افادیت کھو بیٹھا ہے اور اب اس کی جگہ اکبر کے دین الٰہی نے لے لی ہے ۔اب سب کو اسی کی پیروی کرنی چاہیے ۔

جو سچے مسلمان ، اکبر کے دین الٰہی کو ناپسند کرتے انہیں طرح طرح کی اذیتیں

دی جاتیں شہنشاہ کو آداب، نماز اور دوسرے دینی فرائض سے اس قدر چڑ تھی کہ اس نے اپنے محل اور دیوان حکومت میں نماز با جماعت کو ممنوع قرار دے دیا۔ زکوٰۃ کا یہ حال تھا کہ مسلمان اس سے بچنے کے لیے سال کے آخر میں اپنا تمام مال اپنی بیوی کے نام ہبہ کر دیتے، اور ان کی بیوی سال کے اندر سارا مال، انہیں واپس کر دیتی۔ یہ شرعی حیلہ مسلمانوں کو درباری علماء بتاتے تھے اور بادشاہ انہیں انعام و اکرام سے نوازتا تھا۔

ان حالات میں جس مردِ مومن نے اکبر کے دینِ الٰہی کی ڈٹ کر مخالفت کی اور سینہ تان کر میدانِ عمل میں اترا وہ شیخ احمد سرہندیؒ تھا، جن سے اللہ تعالیٰ نے اس دورِ گمراہی میں تجدید و احیائے دین کا عظیم الشان کام لیا اور جنہیں آج سارا زمانہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے نام نامی سے یاد کرتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ 14 شوال 971ھ بروز جمعہ سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ پیدائش سے چند روز قبل آپ کے والد ماجد شیخ عبد الاحد نے خواب میں دیکھا کہ تمام دنیا میں تاریکی پھیلی ہوئی ہے اور اس تاریکی میں بندر، ریچھ اور سور نہایت بے دردی کے ساتھ مظلوم انسانوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یکایک ان (شیخ عبد الاحد) کے سینے سے ایک نور نکلا، جس میں سے ایک تخت ظاہر ہوا۔ اس تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے، جس کے سامنے تمام ملحدوں، ظالموں اور زندیقوں کو بھیڑ بکریوں کی مانند ذبح کیا جا رہا ہے اور کوئی شخص بڑی ہی پر وقار آواز میں یہ آیت قرآنی پڑھ رہا ہے:

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل مٹنے ہی کی چیز ہے۔''

حضرت شیخ نے یہ خوفناک خواب دیکھا تو کیتھل میں معروف قادری بزرگ حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کے پاس گئے اور انہیں یہ تمام خواب سنا کر تعبیر دریافت کی۔ حضرت شاہ کمالؒ نے شیخ عبد الاحد کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب تمہارے گھر میں ایک سعادت آثار فرزند پیدا ہو گا، جس کی بدولت الحاد و فکر اور بدعت و ضلالت کی تاریکی دور ہو گی اور ہر طرف ایمان و نور کی روشنی پھیلے گی۔

حضرت مجددؒ کا سلسلہ نسب اٹھائیس واسطوں سے حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ تک پہنچتا ہے۔ والدگرامی حضرت شیخ عبدالاحد سلسلہ عالیہ چشتیہ کے باکمال درویش تھے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے انہیں خلافت واجازت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ سلسلہ قادریہ میں بھی انہیں اجازت کا اعزاز حاصل تھا۔ چونکہ جید عالم تھے اس لیے آپ اپنے مریدوں کو فیوض باطنی سے سیراب فرمانے کے ساتھ ساتھ انہیں کتب معقولات اور منقولات کا درس بھی دیتے۔

حضرت مجدد تعلیم حاصل کرنے کی عمر کو پہنچے تو آپ کے والد ماجد نے آپ کو مکتب میں داخل کیا۔ جہاں بہت ہی کم مدت میں آپ نے قرآن پاک حفظ کرلیا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی اور دینی کتب کے علاوہ تصوف کی مشہور کتب التصرف، عوارف المعارف اور فصوص الحکم بھی ان سے پڑھیں۔ پھر آپ سیالکوٹ تشریف لے گئے جہاں مولانا کمال کشمیری سے معقولات اور حضرت شیخ یعقوب کشمیری سے علم حدیث کی سند حاصل کی۔ ان کے علاوہ قاضی بہلول بدخشانی سے بھی درس لیا اور سند حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے والد گرامی کے دست مبارک پر بیعت کی اور سلسلہ چشتیہ میں داخل ہو کر سلوک کی منازل طے کیں۔ سلسلہ قادریہ کے فیوض و برکات بھی والد ہی سے حاصل کئے، البتہ خرقہ خلافت حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ سے حاصل ہوا۔ غرض سترہ برس کی عمر میں جامع کمالات ظاہری و باطنی کی حیثیت سے اپنے والد گرامی کی موجودگی میں کتب درسیہ کی تعلیم میں مشغول ہوگئے اور سلاسل روحانی کی تلقین وتبلیغ کی طرف بھی باقاعدہ توجہ دینے لگے۔

1007ھ میں آپ کے والد ماجد نے اس جہان فانی سے کوچ کیا تو آپ حج بیت اللہ کے ارادہ سے سرہند شریف سے روانہ ہوئے۔ دہلی پہنچے تو مولانا حسن کاشمیریؒ سے ملاقات ہوئی دوران گفتگو انہوں نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا تذکرہ کچھ اس انداز سے کیا کہ حضرت ان سے ملاقات کیلئے بے چین ہو گئے۔ اسی روز والہانہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے حضرت باقی باللہ نے انتہائی شفقت کا اظہار فرمایا اور کہا کہ ادائیگی حج سعادت دارین ہے،

لیکن کوئی عذر مانع نہ ہو تو ایک ماہ یا کم از کم ایک ہفتہ یہاں قیام کریں۔ حضرت مجدد نے کمال خندہ پیشانی کے ساتھ اس دعوت کو قبول کر لیا اور ابھی تین چار روز ہی گزرے تھے کہ آپ کے دل میں ان کے مرید ہونے کا شوق پیدا ہو گیا۔ اس مقصد کے لیے حضرت باقی باللہ سے درخواست کی، جو قبول ہوئی اور حضرت مجددؒ سلسلہ نقشبندیہ میں ان سے بیعت ہو گئے۔ حضرت مجددؒ نے تقریباً اڑھائی مہینے دہلی میں قیام فرمایا اور اس قلیل عرصہ میں آپ کو نسبت نقشبندی مکمل طور پر حاصل ہو گئی۔ حج سے واپسی پر دوسری مرتبہ دہلی آئے تو حضرت باقی باللہ نے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا اور پھر تیسری بار سرہند سے دہلی مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مرشد کاملؒ نے عظیم بشارتیں دیں اور اپنے حلقہ توجہ میں آپ کو سر حلقہ بٹھایا اور اپنے مریدوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: شیخ احمد کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف متوجہ نہ ہوا کرے۔

اس حاضری کے بعد امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی مرشد کامل سے اجازت لے کر رخصت ہونے لگے تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ ہندوستان آنے کے لیے جب میں نے استخارہ کیا تھا تو مجھے معلوم ہوا کہ ایک خوبصورت طوطی میرے ہاتھ پر آ کر بیٹھ گیا ہے، جو بہت اچھی باتیں کرتا ہے۔ میں اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالتا ہوں، تو وہ اپنی چونچ سے میرے منہ میں شکر ڈالتا ہے۔ میں نے یہ خواب اپنے پیرومرشد سے بیان کیا، تو انہوں نے فرمایا: باقی باللہ! طوطی ہندوستان کا پرندہ ہے۔ ہندوستان میں تمہاری تعلیم و تربیت کی بدولت کوئی ایسا مرد کامل ظاہر ہو گا، جس سے ایک عالم روشن و تابندہ ہو گا اور خود تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا۔

حضرت باقی باللہ نے حضرت مجددؒ کو یہ واقعہ سنا کر فرمایا میرے اس خواب کی تعبیر کے مصداق تمہی ہو۔

حضرت مجدد الف ثانی ہر لمحہ اتباع سنت کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تلقین وہ اپنے مریدوں اور ملنے والوں سے کرتے تھے۔ ایک روز کسی شخص سے فرمایا کہ گھر میں فلاں مقام پر لونگیں رکھی ہیں، اس میں سے کچھ دانے لے آؤ، وہ گیا اور چھ دانے لے آیا۔ اتنی سی بات میں

سنت کی خلاف ورزی آپ کو نا گوار گزری۔ ناخوشی کے لہجے میں ارشاد فرمایا کہ ہمارے صوفی بھائی کو اب تک یہ بھی پتہ نہیں کہ طاق عدد کی رعایت سنت ہے۔

عبادت و ریاضت پر آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ آپ تہجد، اشراق، چاشت اور نوافل بعد مغرب (اوابین) کے سختی کے ساتھ پابند تھے۔ شروع شروع میں ان نوافل میں سورہ یٰسین پڑھتے تھے، جن کی تعداد 80 تک پہنچ جاتی، لیکن بعد میں ان نوافل میں روزانہ ختم قرآن آپ کا معمول بن گیا۔

عصر اور عشاء کی سنتیں کبھی قضا نہ فرماتے اور وہ دعائیں جو خاص اوقات کے لیے احادیث میں وارد ہوئی ہیں ہمیشہ ورد فرماتے تہجد کے لیے نصف شب کو بیدار ہو جانا ان کا معمول تھا۔ ہر دو رکعت کے بعد توبہ و استغفار درود شریف اور دعاؤں کے بعد مراقبہ کرتے۔ یہ سلسلہ نماز فجر تک قائم رہتا۔

فجر کی نماز باجماعت پڑھتے اور اس کے بعد اشراق تک حاضرین کے ساتھ مراقبے میں رہتے۔ قرآن مجید کے ساتھ انتہائی شغف تھا۔ خود تلاوت کرتے اور اگر مجلس میں کوئی خوش الحان قاری موجود ہوتا تو گھنٹوں اس سے قرات سنتے۔

ہر روز سو سے زیادہ علماء صلحاء اور حفاظ آپ کے دستر خوان پر کھانا کھاتے۔ سفر کے دوران بھی رمضان کے روزے اہتمام کے ساتھ رکھتے اور پورا مہینہ 20 رکعت تراویح پڑھتے۔ سفر حج کا ذوق و شوق ہر وقت پیش نظر رہتا، لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ روپے پیسے کی کمی رکاوٹ بن جاتی۔

حضرت مجدد حقوق العباد کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بیماروں کی عیادت فرماتے اور جاننے والوں میں اگر کوئی فوت ہو جاتا تو اس کے جنازے میں ضرور شریک ہوتے۔ گھر والوں کی دیکھ بھال، صاحبزادوں اور مریدوں کی تعلیم و تربیت غرض ہر بات کا خیال رکھتے اور ہر کام بحسن و خوبی انجام دیتے۔

اکبر کے نام نہاد ''دین الٰہی'' کا فتنہ اٹھا تو اس کے خلاف حضرت نے پوری قوت کے

ساتھ مزاحمت کی۔ اس کام کے لیے اپنے احباب اور مریدوں کی خاص طور پر تربیت کی۔ جو عوام الناس کو اس فتنہ سے آگاہ کرتے تھے۔ خود حضرت مجدد نے امراء اور علماء کو سمجھانے اور راہ راست پر لانے کے لیے خط وکتابت کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ گویا اس دور میں تبلیغ حق کے لیے ''میڈیا'' سے استفادہ تھا۔ جس کے موجد خود حضرت مجددؒ تھے۔

شہنشاہ اکبر کے انتقال کے بعد جب جہانگیر تخت پر بیٹھا تو آپ نے خود بھی اور اپنے مریدین کے ذریعے بھی عوام الناس سے یہ عہد لینا شروع کیا کہ وہ آئندہ خلاف اسلام کسی حکم شاہی کی تعمیل نہ کریں گے۔ یہ گویا ایک بے دین حکومت کے خلاف اعلان بغاوت تھا۔ اپنی اس جدوجہد کو حضرت مجددؒ نے شاہی فوج تک وسیع کیا اور یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ''دین الٰہی'' کا قلع قمع ہوا۔ جہانگیر نے تخت نشین ہونے کے بعد بعض علماء سوء اور بے دین درباریوں کے کہنے پر حضرت امام ربانی کو دربار میں طلب کیا۔ سازش یہ تھی کہ اگر انہوں نے بادشاہ کو سجدہ نہ کیا تو انہیں شاہی فرمان کے ذریعے سزا دی جائے اور اگر سجدہ کر دیا تو اس طرح وہ عوام پر اپنی قدر و منزلت کھو بیٹھیں گے اور حکومت کے لیے ''دین الٰہی'' کا تسلسل قائم رکھنا آسان ہو جائے گا چنانچہ حضرت دربار میں تشریف لائے تو انہیں سجدے کا حکم سنایا گیا۔ مگر آپ نے صاف انکار کر دیا اور با آواز بلند ارشاد فرمایا: از روئے شریعت محمدی ﷺ سجدہ صرف اور صرف خدائے عزوجل کے لیے مخصوص ہے۔ آخر اس سے بڑھ کر نادانی کیا ہو گی کہ ایک شخص اپنے ہی جیسے مجبور شخص کو سجدہ کرے۔۔۔۔ یہ الفاظ جہانگیر کے لیے سخت برہمی کا سبب بنے اور اس نے انتہائی غیظ وغضب کی حالت میں آپ کے قتل کا حکم صادر کر دیا، لیکن پھر کچھ سوچ کر آپ کو غیر معینہ مدت کے لیے قلعہ گوالیار میں قید کر دیا۔

قلعہ گوالیار سے حضرت مجددؒ کی رہائی کس طرح ہوئی۔ کہتے ہیں اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جہانگیر نے خواب میں دیکھا کہ آنحضور ﷺ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے نہایت افسوس سے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر! تو نے یہ کیا ستم کیا تو نے ایک ایسے شخص کو جیل میں ڈال دیا،

جونہایت سچی بات کہتا ہے۔اس خواب کے بعد حضرت مجددؒ قلعہ گوالیار سے رہا کر دیے گئے۔

اس واقعے کے بعد جہانگیر آپ کا معتقد ہو گیا۔آخری عمر میں تو اکثر کہا کرتا تھا کہ ہر چند میں نے زندگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جو آخرت میں نجات کا ذریعہ بن سکے،میرے پاس ایک ایسی دستاویز موجود ہے جو میں اپنے پروردگار کے حضور پیش کروں گا،امید ہے اس کے باعث میری مغفرت ہو جائے گی۔وہ دستاویز یہ ہے کہ ایک روز مجھ سے شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں لے جائے گا تو میں تیرے بغیر نہیں جاؤں گا۔

ذوالحجہ کے مہینے میں حضرت مجددؒ کو سانس لینے میں تکلیف محسوس ہوئی اور ساتھ ہی سخت بخار بھی ہو گیا۔ضیق النفس کی یہ تکلیف روز بروز بڑھتی رہی۔آخر 28 صفر 1034 کو 63 برس کی عمر میں آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

کامل انسان اور مکمل انسانیت

(مولانا محمد اسجد قاسمی)

قرآن کریم فرماتا ہے کہ: "انسان شر اسی طرح مانگتا ہے جس طرح خیر مانگنی چاہیے، انسان بڑا ہی جلد باز واقع ہوا ہے"۔(بنی اسرائیل 11)

انسان واقعی بڑا ناشکرا ہے۔(بنی اسرائیل 68)

واقعی انسان بڑا تنگ دل واقع ہوا ہے۔(بنی اسرائیل 100)

انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے۔(الکھف 54)

خدا کی مار ہو انسان پر کیسا ناشکرا اور منکر حق ہے وہ۔ (عبس 17)

اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے اس رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا ہے جس نے تجھے پیدا کیا۔(الانفطار 6)

انسان سرکشی کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے حالانکہ پلٹنا یقیناً تیرے رب ہی کی طرف ہے۔(العلق 8-6)

حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔(العادیات 6)

انسان سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس سدا رہے گا۔(**الھمزۃ** 3)

انسان کم ہمت تھڑولا، بے صبرا پیدا کیا گیا ہے جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے مگر وہ نمازی جو اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں۔(المعارج 23-19)

انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں تو اس پر پھول جاتا ہے اور اگر اس کے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا کسی مصیبت کی شکل میں اس پر الٹ پڑتا ہے تو وہ سخت ناشکرا بن جاتا ہے۔(الشوریٰ 48)

مگر انسان کا حال یہ ہے کہ اس کا رب جب اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اسے عزت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دار بنا دیا اور جب وہ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔(الفجر 16-15)

انسان کو جب ہم نعمت دیتے ہیں تو وہ منہ پھیرتا ہے اور اکڑ جاتا ہے، اور جب اسے کوئی آفت چھو جاتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔(حم السجدہ 51)

انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔(النساء 28)

اور جب انسان پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو وہ کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہم کو پکارتا ہے، مگر جب ہم اس کی مصیبت ٹال دیتے ہیں تو ایسا چل نکلتا ہے کہ گویا اس نے کبھی اپنے کسی برے وقت میں ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔(یونس 12)

قرآن نے مختلف مقامات پر انسان کے طرزِ عمل اور نفسیات کا یہ نقشہ بھی کھینچا ہے؛

لیکن یہ اوصاف عام طور پر انسان کی اس نوع کے ہیں جو جوہر ایمان سے محروم ہو یا ایمان کے رسمی اظہار کے بعد اپنی پوری زندگی خلاف ایمان اعمال میں بسر کرتی ہو، جو انسان ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ اپنی انسانیت کو آراستہ اور درست نہ کرتا ہو وہ ہر طرح کی برائیوں میں ملوث ہوتا ہے اور وہ قرآنی تعبیر کے مطابق جانور بلکہ اس سے بھی زیادہ گیا گزرا ہوتا ہے، جو انسان ننگ انسانیت ہو تو وہ کتے اور گدھے سے بھی زیادہ بے حیثیت ہوتا ہے، پھر نہ دنیا

اس کی ہے اور نہ آخرت ۔یہ اللہ کا فیصلہ ہے:

ترجمہ: زمانے کی قسم !انسان درحقیقت خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے ۔(العصر)

انسان صحیح معنوں میں وہ ہے جو اپنا مقصدِ تخلیق ہر لمحہ پیش نظر رکھ کر اسی میں لگا رہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں اس کا ہر قدم جادہ مستقیم پر استوار رہے، ایسے ہی انسان کو خساروں اور ہلاکتوں سے بری قرار دیا گیا ،لیکن وہ انسان جو ناشکری ، بے صبری ، انکارِ حق کم ہمتی ، جھگڑے ،سرکشی ،عناد، مادیت ،زر پرستی ،اتباعِ ہوا ،بخل ،اکڑ ، کبر، احسان فراموشی محسن کشی اور غدر و خیانت جیسی تمام لعنتوں میں اسیر ہو اور جو اپنی خساست کی وجہ سے مذہب ،قوم وطن سب کے لئے ننگ و عار بن چکا ہو وہ صحیح معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے ۔

کیا عقلِ سلیم اس کی روادار ہو سکتی ہے کہ اسے انسانوں کے زمرہ میں شامل کیا جائے جو اپنے بھائیوں کو بھی اپنی سفاکی اور وحشیت کا نشانہ بناتا ہو، جو ہزاروں معصوموں کی جانیں لے کر ان کے تڑپتے لاشوں پر ہنستا اور ٹھوکریں مار کر گزر جاتا ہو، جو معصوم بچوں کے منہ سے نوالے چھین کر ان کے تڑپنے کا منظر دیکھتا اور خوش ہوتا ہو، اور جو بچوں کو یتیم ،خواتین کو بیوہ اور ماؤں کو لاولد کر کے چین پاتا اور رقص کرتا ہو، جو امانت و دیانت اور عہد و وعدہ کی پاسداری سے بالکل نا آشنا ہو، جو اپنے منافع کے لئے دوسروں کے ہر نقصان کو انگیز کرتا ہو اور جو اپنے خسیس مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر حد تجاوز Cross کرنے میں کوئی باک نہ رکھتا ہو؟

موجودہ دنیا میں ان نام نہاد انسانوں کی کثرت ہے جو اپنے اعمال و اوصاف میں شیاطین سے مشابہ ہیں ،کوئی دین کے نام پر دنیا طلبی میں لگا ہوا ہے ،کوئی وطن پرستی کے نام پر وطن فروشی کر رہا ہے ، کوئی تجارت کا سہارا لے کر چوری کر رہا ہے ،کوئی محبت کا دم بھر کر چھری چلا رہا ہے ،

کوئی معلم بن کر تعلیم کے اعلیٰ اقدار کو ملیا میٹ کر رہا ہے، کوئی ڈاکٹر بن کر خدمتِ خلق کے نام پر لوٹ مار کر رہا ہے، کوئی اپنی بیوی سے خیانت کر رہا ہے، کوئی اپنے شوہر کی آنکھوں میں دھول جھونک کر خفیہ آشنائی میں مصروف ہے۔ بدکرداری کے بے شمار نمونے اور لامتناہی فہرست ہے، ہر ایک دوسرے کو کھانے اور ڈسنے کے چکر میں ہے، انسان اب ایسا بھیڑیا بن گیا ہے جس سے جنگل کے بھیڑیئے شرماتے ہیں۔

نئی تہذیب وتمدن کے علمبر داروں میں یہ بدکرداری کچھ زیادہ ہی نمایاں ہے، اور ہر صاحب بصیرت انسان ایک لمحہ میں اس کا اندازہ کر لیتا ہے، حکیم مشرق اقبال کا بیان ہے کہ میخانِ مغرب میں ان کو دردِ سر کے سوا کچھ نہ ملا اور دانشمندانِ فرنگ کی ہمراہی میں گذرے ہوئے دن سے زیادہ بے کیف، بے سوز اور بے نور شب و روز ان کی پوری زندگی میں کبھی نہیں آئے:

مے از مے خانۂ مغرب چشیدم
بجانِ من کہ دردِ سر خریدم
نشستم با نکویانِ فرنگی
ازاں بے سوز تر روزے ندیدم

قرآن کے بیان کے مطابق جب انسان کی زندگی کا اصل مقصد اللہ کی عبادت اور بندگی ہے تو پھر ایمان وعبادت سے انحراف رکھنے والا ہر عمل انسان کو اس کے مقصدِ حیات سے غافل اور دور کرتا چلا جائے گا، اور مقصد سے منحرف انسان کیسے صحیح معنوں میں انسان کہلا سکتا ہے؟ اِس مقصد سے دوری کے بعد انسان خواہ کوئی بھی عمل کر لے، کوئی بھی ایجاد کر لے، سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر لے یا چاند پر ٹھکانہ کر لے مگر وہ ہر آن انسانیت سے دور ہوتا جائے گا، نہ وہ اپنے خدا سے قریب ہو سکے گا، نہ وہ اپنی کی شب تاریک کو سحر کر سکے گا اور نہ وہ کسی کامیابی سے

ہم کنار ہو سکے گا۔

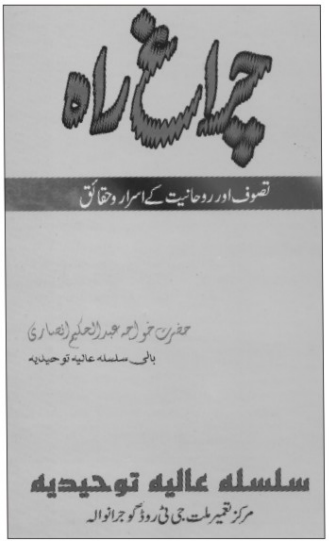
مقصد حیات سے دوری اور اللہ سے قطع تعلق کی صورت میں انسان اس وقت کائنات میں سب سے زیادہ رسوا ہوگا۔ اور مقصد حیات پر مضبوطی سے جماؤ اور اللہ سے تعلق کے نتیجہ میں انسان اس کائنات کی اشرف ترین مخلوق ہوتا ہے اور آخرت کی ساری نعمتوں سے بھی سب سے زیادہ ہی بہرہ مند ہوگا۔ مقصد حیات پر جماؤ اسی صورت میں پیدا ہوگا جب ان اوصاف کا مصداق بننے سے اپنے آپ کو بچایا جائے جو قرآن کے حوالہ سے آغاز میں ذکر کئے گئے، ہماری مشکل یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات سے ہمارا عمل بالکل مختلف ہے اور یہی دین ودنیا میں ہماری پسماندگی کا سبب ہے، اقبال کے بقول مسلمانوں کے دلوں میں اب زندگی کا شرارہ گل ہو رہا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ختم ہو چکا ہے:

در دل او آتش سوزندہ نیست
مصطفیٰ در سینہ او زندہ نیست

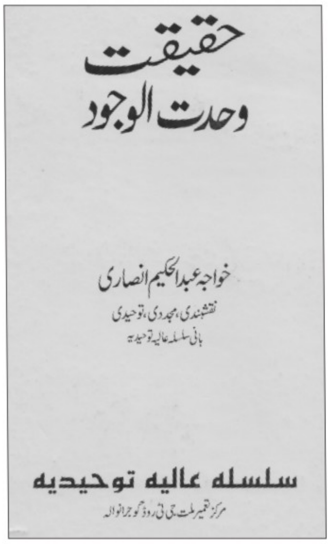
اور اس افسوسناک صورتحال کا خاتمہ مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں، نا امیدی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ہاں شرط یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت کے مطابق ایمان، عمل صالح، صبر وحق کی تلقین کے وہ اوصاف اختیار کر لئے جائیں جو ہر خسارہ سے نجات کے ضامن ہیں۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت،بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اورروحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com